طباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس بمبئی کلکتہ مدراس،

دہلی کا چپہ چپہ آثار قدیمہ کا مخزن ہی، سب سے پہلے سرسید احمد خان مرحوم نے ان کے حالات مین آثار الصنادید لکھی، لیکن اس کا معیار کسی قدر بلند ہے، اور اب وہ کمیاب بھی ہی، ٹی جی پی سپیر صاحب ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر سینٹ سٹیفنز کالج دہلی نے اس موضوع پر طلبہ کیلئے انگریزی مین یہ دوسری کتاب لکھی ہے، اس مین ہندؤن کے عہد عتیق سے لیکر مغلون کے زمانہ تک دہلی کے تمام حکمرانون کی تعمیری آثار، طرز تعمیر، اور ان کے متعلق تاریخی واقعات کا حال ہی، آخر مین انگریزی عہد کے آثار، نئی دہلی کا تذکرہ اور ہر دور کی تعمیری خصوصیات پر تبصرہ ہی، جناب اشتیاق حسین قریشی نے عام فائدہ کے لئے اردو مین اس کا ترجمہ کر دیا ہی، گو یہ کتاب طلبہ کے لئے لکھی گئی ہے، لیکن معلومات کے لحاظ سے طلبہ اور غیر طلبہ دونون اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہین،

خطابیات حصہ دوم مؤلفہ جناب شیخ رحیم الدین کمال صاحب ظہیر آبادی،
تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۱۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱۲ر، پتہ:-
ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن،

اس کتاب کا پہلا حصہ اس سے قبل شائع ہو چکا ہی، اس دوسرے حصہ مین مختلف ملکون مین تقریر کے ارتقار، کا ذکر، اسکی اثر اندازی کے وسائل و ذرائع، مقرر کی قائدانہ خصوصیات، مباحثون اور تقریرون کے مختلف اقسام مثلاً نثری تقریرون، سپاسنامون، دواعی اور تعزیتی تقریرون کے اصول و طریقے بتائے گئے ہین، اور اسکی مثالین دی گئی ہین، اور ہندوستان کے بعض پرانے مشہور خطیبون کی تقریرون کے نمونے دیئے گئے ہین، تقریر کا ملکہ بڑی حد تک نظری ہوتا ہی، لیکن علم و اکتساب کو بھی اس مین دخل ہی، اس لئے نو مشق مقررون کے لئے اس کتاب مین بہت سی مفید ہدایتین ہین،

"م"

جلد ۴۹ ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۲ء عدد ۵

مضامین

شذرات

انجمن عربی صوبہ متحدہ الٰہ آباد جس کا مقصد صوبہ کے انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے مسلمان طالب علموں میں عربی زبان کی تعلیم کا شوق پیدا کرنا اور ان میں سے ہونہار طالب علموں کو مناسب مالی امداد دے کر ان کی مشکلوں کو حل کرنا ہے، الحمد اللہ اپنا کام مستعدی اور خوبی کے ساتھ انجام دے رہی ہے، انجمن کے سکریٹری پروفیسر نعیم الرحمان صاحب مبارکباد کے قابل ہیں جنھوں نے بڑی تندہی اور محنت سے اپنے کام کو انجام دیا ہے،

یہ معلوم کرکے بھی خوشی ہوئی کہ نواب صدر یار جنگ بہادر اس کو چار برس سے برابر پچاس روپیہ ماہوار کی امداد دے رہے ہیں، اس کے علاوہ صوبہ کے کورٹ آف وارڈس نے پچھلے دو برسوں میں اسکو پانچ پانچ سو روپیے دیئے ہیں اور دوسرے مخیر حضرات بھی اس کو ماہانہ اور سالانہ عطایا دیتے ہیں انجمن کی کوششوں سے عربی خوان انگریزی طالب علموں کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے، اس اضافہ شوق کو دیکھ کر ضرورت ہے کہ معطیوں کی تعداد میں بھی ترقی ہو جس کے لئے ہم احساس مند مسلمانوں کو اس کی امداد کی طرف متوجہ کرتے ہیں،

ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد دکن جس سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ اپنے کاموں کو انجام دے رہا ہے اس پر اس کے مخلص کارکنوں کو مبارکباد دینا زبان کے ہر خادم کا فرض ہے، ادارہ نے اپنے کاموں کے شعبوں میں مزید ترقی کی ہے، ایک طرف علوم عالیہ میں وہ اردو انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب کی مہم پر غور کر رہا ہے، اور دوسری طرف چھوٹے بچوں کے لئے مفید و صالح لٹریچر کی اشاعت میں بھی دلچسپی لے رہا ہے، اور یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس نے اپنی کم عمری میں مختلف عنوانوں پر جتنی کتابیں شائع کی ہیں، شاید ہی اس ملک کا

کوئی ادارہ ایمن اسکا مقابلہ کرسکے، گو اس میں کتابیں ہر نوع کی ہیں، اور کون کہہ سکتا ہے کہ ہر ڈھیر میں جواہر ہی جواہر ہوتے ہیں،

علی گڈھ ہسٹاریکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ جس کو قائم ہوئے دو ہی تین سال کا عرصہ ہوا ہے، اپنا کام خاص مستعدی سے کر رہا ہے، اس کا سہ ماہی انگریزی رسالہ بہت سے اچھے مضامین شائع کر رہا ہے، کتابوں کے سلسلہ میں ہندوستان میں مسلمانوں کے آئین و طریق عدالت پر جو کتاب شائع ہوئی ہے اس نے ہندوستان کے تاریخی معلومات میں بہت بڑی کمی پوری کی ہے، ضرورت ہے کہ بادشاہوں کے جنگ و جدال کے قصوں کے بجائے اسی قسم کے مختلف عنوانوں پر انگریزی میں ایسی کتابیں لکھی جائیں جن سے معلوم ہو کہ مسلمانوں نے ہندوستان کو کیا دیا ہے،

بمبئی میں اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن کے نام سے جو علمی انجمن ۱۹۳۳ء میں قائم ہوئی تھی اور جس کے لائق سکریٹری جناب آصف فیضی صاحب ہیں وہ برابر اپنے فرائض کے انجام دینے میں مصروف ہے، اس زمانہ میں وہ متعدد کتابوں کی اشاعت کر چکی ہے جن کا ذکر معارف میں وقتاً فوقتاً آتا رہتا ہے، اب اس کے کارکنوں نے اس کی دہ سالہ خدمات کی یادگار میں یہ طے کیا ہے کہ اسلامی مباحث پر لائق ارباب قلم کے محققانہ مضامین کا ایک مجموعہ تیار کرایا جائے اور اس سال کے آخر تک اس کو شائع کیا جائے،

لکھنؤ کے بعض نوجوان مسلمانوں نے مل کر ادارۂ اقبال کے نام سے ایک مجلس قائم کی ہے جس کا مقصد اقبال کے فلسفہ کی اشاعت اور نوجوانوں میں اُن کی تعلیمات کی تبلیغ ہے، ۲۰ - اپریل کو لکھنؤ گنگا پرشاد میموریل ہال میں نواب بہادر یار جنگ بہادر حیدر آباد دکن کی صدارت میں اس کا ایک کامیاب اجلاس ہوا، اس اجلاس کی خصوصیت

یہ تھی کہ بوڑھے کارگذ بھی نوجوانوں کے پہلو بہ پہلو تھے،

آجکل ڈاکٹر اقبال کے نام سے متعدد رسائل نکل رہے ہیں اور مجلسیں قائم ہیں، یہ سب کو معلوم ہے کہ شاعر بھی بتدریج ترقی کرکے منزلِ مقصود کے احاطہ میں داخل ہوتے ہیں، اور ان کے خیالات بھی اسی تدریج کے ساتھ کمال کے مرتبہ کو پہنچتے ہیں، اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ ہر شے جو ڈاکٹر اقبال کے کلام کے فائل میں نکل آئے وہ ان کی تعلیم ہے تو وہ سراسر غلط ہوگا، بلکہ وہی چیزیں ان کی تعلیمات کے عناصر ہوں گی، جن پر ان کے قلم نے ایک مدت کی تلاش کے بعد آرام کی سانس لی، اور جس منزل پر پہنچکر ان کے خیال کے مسافر نے اقامت اختیار کی، اس بنا پر آجکل رسالوں کے کارخانوں میں جو مال بھی تیار ہوتا ہے اور اس پر ڈاکٹر اقبال کے نام کا مارکہ لگا کر جو دکانداری کی جارہی ہے وہ ہمت افزائی کے لائق نہیں،

کبھی فرصت سے سن لینا بڑی ہے داستاں میری

شائقین سیرۃ نبوی کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ مولانا شبلی مرحوم کی سیرۃ نبوی کا ترجمہ مرہٹی زبان میں ہو رہا ہے، میر منشی محمد اسماعیل بھالدار صاحب جو مرہٹی کے ادیب ہیں یہ ترجمہ کر رہے ہیں، اس کی پہلی جلد عنقریب پریس میں جانے والی ہے، اس مرہٹی ترجمہ کی اشاعت کی سعادت بھی سرکار نظام ہی کے حصہ میں آئی،

مقالات

شریعتِ اسلام

اور

موجودہ ہندوستان مین کاشتکارون کے حقوق

از مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی

زمینداری اور کاشتکاری کے موجودہ قوانین کی مشکلات اور دقتوں کے پیش نظر گذشتہ اکتوبر ۱۹۴۱ء کے معارف مین کاشتکارون کے شرعی حقوق کی نسبت ایک استفتا اور اس کے بارہ مین مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب داناپوری، مولینا کفایت اللہ صاحب اور مولنا محمد عمیم الاحسان صاحب مفتی جامع مسجد ناخدا کلکتہ کے جوابات شائع کرکے علماء کرام سے اس مسئلہ پر شرعی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالنے کی استدعا کی گئی تھی، اس سلسلہ مین مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی کا یہ مضمون موصول ہوا ہے، جسے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے" "م"

کاشتکارون کے حقوق کے متعلق معارف کے نمبر ۴ جلد ۴۸ مین ایک استفتا مع چند جوابات کے شائع ہوا ہے، اسکی ابتدا مین علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کا نوٹ ہے، اس مین مولانا ممدوح نے یہ تحریر فرمایا ہو کہ

"اتفاق وقت سے چند مہینے ہوئے کہ کلکتہ سے ایک استفتا موصول ہوا، جس پر بعض علمائے کے جوابات تحریر تھے، اسی سلسلہ مین خیال ہوا کہ اسی استفتاء کو بنیاد بناکر تحقیق کا دروازہ کھولا جائے اور علماے کاملین سے استصواب کیا جائے، اور درخواست کیجائے کہ وہ اس کے متعلق پوری دیانت اور متانت سے تحریر فرمائین۔"

اس سلسلہ مین اپنے قصور علم کے ساتھ مجھکو سید صاحب کے الفاظ مین اس کا بھی احساس ہے کہ

"کسانون اور کاشتکارون کے حقوق، عام متداول کتب فقہ مین یہ مسائل پوری تفصیل سے نہین ملتے، جستہ جستہ علما کے اشارات اور اجتہادات ہین، اور ایک شخص کا تنہا شریعت کے کسی ایسے مسئلہ پر جس مین اجتہاد و اختلاف کا دروازہ کھلا ہو، ذمہ داری کے ساتھ لکھنا مشکل ہے، اور لکھا بھی جائے، تو اس کا قبول عام حاصل کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہو۔"

اس لئے اس مسئلہ کے متعلق ہم جو کچھ لکھین گے، اوس کی حیثیت قول فیصل کی نہین ہوگی بلکہ اِن اصبت فمن اللہ واِن اخطأت فمن نفسی وَمَا اُبرّئ نفسی عن سُوءٍ،

استفتاء

کیا فرماتے ہین علماے دین مسائل ذیل مین:

(۱) کاشتکاری پر جس کو عرف مین موروثی کہتے ہین، زمیندار کو قانوناً یہ حق حاصل ہو کہ خود اس زمین مین کاشت کرے، یا کسی دوسرے سے کاشت کرائے، اور پیداوار کو اپنے تصرف مین لائے، اور جو لگان سرکاری طور پر مقرر ہوچکا ہے، وہی لگان زمیندار کو ادا کرے، زمیندار کو اس مین سوائے لگان مقررہ کے اور کوئی حق نہین، نہ وہ کھیت نکال سکتا ہو، نہ لگان ہی زیادہ کرسکتا ہو تو کیا یہ کاشتکاری شرعاً درست ہو یا نہین؟

(۲) ان اطراف مین موروثی کو رہن بھی رکھتے ہین، اور روپئے سے اپنا کام چلاتے ہین

اس قسم کی موروثی رہن رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہین؟

(۳) اگر کسی کاشتکار کا انتقال ہوجائے، اور تین لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑے، تو اس کی کاشتکاری سے وراثت جاری ہوگی یا نہین؟ بصورت اول تخریج کس طرح ہوگی،

الجواب

سوالون کے نمبروار جواب سے پہلے دو چیزین قابل لحاظ ہین، ایک تو سید صاحب کے الفاظ مین یہ امر کہ

"دائمی استمراری بندوبست صرف بنگال و بہار اور یوپی کے دو تین مشرقی اضلاع مین ہے، مدراس مین اراضی حکومت وقت کی براہ راست ہین، جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے۔"

دوسرا امر یہ کہ مختصر الفاظ مین پہلے یہ معلوم کرلیا جائے کہ آئین اسلامی کی رو سے کاشتکار کے ساتھ کاشت کی زمین کے تعلق کی عام صورتین کیا ہین؟ اور ان کے لئے شریعت اسلامی کے احکام کیا ہین؟ اس کے بعد موجودہ ہندوستان کے کاشتکارون کے حقوق کے متعلق غور کیا جائے کہ آئین اسلامی کی رُو سے اُن کی حیثیت کیا ہے، اور ان کے متعلق شرعی احکام کیا ہین؟

شریعت اسلام مین کاشتکارون کے ساتھ زمین کے تعلق کی عام صورتین

(۱) کسی ملک کو امام نے اپنی قوت و اقتدار اور قہر و غلبہ سے فتح کیا اور اس کی زمین کو مسلمانون پر تقسیم کردیا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر مین کیا،

ہدایہ مین ہے:-

وَاذا فتح الامام بلدۃً عنوۃً ای قهراً فهو بالخیار ان شاء قسمها	اگر امام کسی ملک کو غلبہ سے فتح کرے تو اوس کو اختیار ہے، اگر چاہے تو اسکو

بین المسلمین کما فعل رسول اللہ علیہ السلام بخیبر،

مسلمانون پر تقسیم کردے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر مین کیا،

اس صورت مین یہ زمین عشری ہوگی، اور کاشتکار کی ملک ہوگی، عشری ہونیکے متعلق یہ تصریح ہے کہ

فقد قال ابو یوسف فی کتاب الخراج وھذہ الارضون اذا قسمت فھی ارض عشر وان ترکھا الامام فی ایدی اھلھا الذین قھرا علیھا فھو حسن (رد المحتار جلد ۳ ص ۲۹۳)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج مین فرمایا کہ یہ زمینین اگر تقسیم کردی جائین تو عشری ہین، اور اگر امام انکو لوگون کے ہاتھ مین چھوڑ دے جس پر غلبہ پایا ہے، تو اچھا ہے،

کاشتکار کے مالک ہونے کی تصریح اور اس بنا پر اس کے بیع کرنے، وقف کرنے اور اس مین وراثت جاری ہونے کی تصریح ردالمحتار کی حسب ذیل عبارت مین ہے،

ارض الخراج مملوکۃ وکذلک ارض العشر یجوز بیعھا وایقافھا وتکون میراثاً کسائر املاکہ (جلد ۳ ص ۲۹۶)

خراجی زمین مملوکہ ہے، اسی طرح عشری زمین بھی، اس کا بیچنا اور وقف کرنا جائز ہے، اور اسمین اسکی دوسری جائدادون کی طرح میراث جاری ہوگی،

(۲) کسی ملک کو امام نے اپنی قوت اور سطوت کی بنا پر فتح کیا، اور زمین کے سابق مالکون کو برقرار رکھا، اور ان کی زمین پر خراج (مالگذاری) مقرر کردیا، جیسا کہ حضرت عمر رض نے عراق وغیرہ کے علاقہ مین کیا، ردالمحتار مین کتاب الخراج امام ابو یوسف رح سے یہ تصریح ہے،

فان المسلمین افتتحوا ارض العراق والشام ومصر ولم یقسموا شیئاً من ذلک بل وضع عمر علیھا الخراج الخ (ج ۳ ص ۲۹۳)

مسلمانون نے عراق، شام اور مصر کی زمینونکو فتح کیا، اور ان مین سے کچھ بھی تقسیم نہین کیا، بلکہ اس پر حضرت عمر رض نے خراج مقرر فرمایا،

اس صورت مین یہ زمین خراجی ہوگی، اور کاشتکار اس کا مالک ہوگا، اور اس کو بیع اور وقف کا پورا اختیار ہوگا، اور اسمین وراثت بھی جاری ہوگی، سند اسکی ردالمحتار کی عبارت مین گذر چکی ہے،

(۳) کسی ملک کی فتح اس طور پر ہوئی کہ وہان کے لوگون سے مصالحت ہوگئی، اور ان کی زمین پر امام کی جانب سے خراج تشخیص کردیا گیا، اس صورت مین بھی صاحب زمین اپنی زمین کا مالک ہوگا، ردالمحتار مین ہے،

کل ما فتح عنوۃ واقر اھلہ علیھا اوصولحوا ووضع الخراج علی اراضیھم فھی مملوکۃ لاھلھا درر منتقی، (جلد ۳ ص ۲۹۳)

جو کچھ کہ قہر اور غلبہ سے فتح ہوا، اور وہان کے باشندون کے قبضہ مین رہنے دیا گیا یا ان سے صلح کی گئی، اور ان کی زمینون پر خراج مقرر کیا گیا، تو یہ ان باشندون کی ملکیت ہے،

(۴) امام کی طرف سے کسی کو بطور انعام کے ہمیشہ کے لئے زمین دیگئی، تو یہ زمین انعام پانے والے کی ملکیت ہوگی، اور اس مین بیع، ہبہ اور توریث سب نافذ ہوگی، احکام الاراضی مین ہے :-

الانعام المخلد والموید بمنزلۃ الملک یجوز بیعہ وشراءہ علی الصحیح

انعام مؤید اور مخلد بمنزلہ ملک کے ہے، اس کا بیچنا اور خریدنا جائز ہے، اسی طرح

عربی	ترجمہ
(وایضاً) الا انعام المخلد یدخل فی	انعام مخلد ملک میں آجاتا ہے اور بیع، ہبہ اور
الملک فیباع ویوھب ویورث	میراث جائز ہے،

(۵) اراضی مملکہ یعنی ایسی زمین جس کا مالک مرگیا ہو، اور وارث نہ ہونے کی وجہ سے وہ بیت المال میں حکومت اسلامیہ کے داخل کرلی گئی ہو، یا ایسی زمین جسکو امام نے اپنی سطوت و قوت سے فتح کیا ہو، اور اس کو قیامت تک کے لئے مسلمانوں کے لئے رکھ چھوڑا ہو) زراعت کیلئے خراج یا غلہ پر دیگئی، تو اس صورت میں مزارع سے جب تک وہ خراج یا غلہ ادا کرتے رہیں گے، ان سے زمین نہیں لیجائیگی، لیکن اوس کو نہ تو اس ارض مملکت کی بیع کا حق ہوگا، نہ اوس کے مرنیکے بعد اس میں وراثت جاری ہوگی، رد المحتار میں ہے،

عربی	ترجمہ
ثم اعلم ان اراضی بیت المال	بیت المال کی زمینیں جو اراضی مملکت کہلاتی
المسماۃ باراضی المملکۃ والحوز	ہیں، جب وہ کاشتکاروں کے ہاتھ میں ہونگی
اذا کانت فی ایدی زراعھا	تو جب تک وہ اس کا حق ادا کرتے رہیں،
لا تنزع من ایدیھم ما داموا	ان سے زمین نہ لی جائے گی، اس میں نہ
یؤدون ما علیھا ولا تورث	ان کی وراثت جاری ہوگی، اور نہ
عنھم اذا ماتوا ولا یصح بیعھم	ان کے لئے اس کی بیع جائز ہوگی،
لھا (ج ۳ صفحہ ۳۵۵)	

لیکن رد المحتار میں اسی کے بعد یہ بھی تصریح ہے، کہ "دولت عثمانیہ" میں باپ کے مرنے کے بعد یہ زمین اس کے بیٹے کی طرف بغیر کسی قسم کی رقم ادا کرنے کے مفت منتقل ہوجاتی ہے، اور اگر مرنے والے کے وارثوں میں اور لوگ ہوتے، جیسے بیٹی، یا سوتیلا بھائی، تو وہ اس زمین پر اجارہ فاسدہ کے طور پر قبضہ کرلیتا تھا، عمال حکومت کو اس کا اختیار نہیں ہوتا تھا، کہ وہ ایک کاشتکار سے لیکر دوسرے

کاشتکار کو دیدیں جب تک خود سلطان یا نائب سلطان سے حکم نہ حاصل کرلیا جائے، ہاں تین سال یا اس سے زیادہ زمین کو غیر آباد رکھے گا، تو لے لیا جائے گا،

عربی	ترجمہ
ولکن جری الرسم فی الدولۃ العثمانیۃ	دولت عثمانیہ میں یہ رسم جاری ہے کہ اگر کوئی
ان من مات عن ابن انتقلت لابنہ	کاشتکار بیٹا چھوڑ کر مرے تو زمین اسکے بیٹے کی
مجانا والا فلبیت المال ولو لہ	طرف مفت منتقل ہوجاتی ہے، اگر بیٹا نہیں
بنت او اخ لاب لہ اخذھا	ہوتا ہے، تو وہ بیت المال کی ملک
بالاجارۃ الفاسدۃ وان	ہوجاتی ہے، اور اگر اوس کے لڑکی یا
عطّلھا متصرف ثلاث سنین	سوتیلا بھائی ہوتا ہے، تو اسکو اجارہ
او اکثر بحسب تفاوت الارض	فاسدہ سے لے لیتا ہے، اور اگر اس زمین
تنزع منہ وتدفع لآخر ولا یصح	کو تین سال یا زیادہ تک بیکار چھوڑ دے
فراغ احد ھم عنھا لآخر بلا اذن	تو زمین اوس سے لیکر دوسرے کو دیدی جاتی
السلطان او نائبہ کما فی شرح	ہے، سلطان یا اوس کے نائب کی اجازت
المنتقی (جلد ۳ صفحہ ۳۹۶ باب العشر والخراج)	کے بغیر کسی کو اختیار نہیں ہے کہ ایک کاشتکار
	خود زمین چھوڑ کر دوسرے کو دیدے،

(۶) زمین کے مالک سے نقدی لگان یا بٹائی پر کاشتکاری کرنا جیسا کہ عہد نبوت اور صحابہ میں ہوتا تھا، بخاری میں ہے:-

عربی	ترجمہ
عن رافع رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت رافع رض فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ
قال انما یزرع ثلثۃ رجل لہ	علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے آدمی کاشت
ارض فھو یزرعھا ورجل منح	کرتے ہیں، ایک وہ جو خود زمین کا مالک ہے،

ارضاً فھو یزرعھا و رجل	اور خود ہی کاشت کرتا ہی، دوسرے وہ جو
استکری ارضاً بذھب او	کسی کو مفت زمین دے اور وہ کاشت کرے،
فضۃٍ،	تیسرے وہ جو نقد لگان پر زمین دوسرے سے

صحابۂ کرام کی عملی زندگی کی تصویر بخاری مین یہ ہی کہ

قال ابو جعفر رض ما بالمدینۃ اھل	حضرت ابو جعفر باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا
بیتِ ھجرۃٍ الا یزرعون علی الثلث	کہ مدینہ منورہ مین کوئی مہاجر گھرانہ ایسا
والربع وزارع علی و سعد بن مالک	نہین تھا، جو تہائی اور چوتھائی کی بٹائی
وعبد اللہ بن مسعود و عمر بن	پر کاشت نہ کرتا ہو حضرت علی، سعد بن مالک،
عبد العزیز و القاسم و العروۃ	عبد اللہ بن مسعود، عمر بن عبد العزیز،
وآل ابی بکر وآل عمر وآل علی و	قاسم اور عروۃ آل ابو بکر، آل عمر، آل علی و
ابن سیرین رضی اللہ عنھم،	ابن سیرین رضی اللہ عنہم نے کاشت کرائی،

اس صورت مین بٹائی کرنے والا یا نقدی لگان پر کاشت کرنے والا زمین کا مالک نہین ہوتا ہی، فقہ کی کتابین ایسی جزئیات سے معمور ہین، صحابۂ کرام کے عہد مین بھی نقدی لگان پر کاشتکاری کرنے والا مالک نہین سمجھا جاتا تھا، موطا امام مالک رض مین حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کا واقعہ ہے کہ

ان عبد الرحمٰن بن عوف تکاری	حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رض نے ایک زمین
ارضاً فلم تزل فی یدیہ بکراء	نقدی لگان پر لی، جو ہمیشہ ان کے قبضہ
حتی مات. قال ابنہ فما کنت	مین مرتے دم تک رہی، ان کے بیٹے نے
اراھا الا لنا من طول ما مکثت	کہا کہ ہم اس کو اپنی ملک سمجھتے تھے اسلئے

فی یدہ حتی ذکرھا لنا عند	کہ وہ ایک مدت تک ہمارے والد کے پاس
موتہ فامر بقضاء شئ	رہی، یہان تک کہ اپنے انتقال
کان علیہ من کرائھا من ذھب	کے وقت انھون نے ذکر کیا اور کرایہ
او ورق،	(جو سونا یا چاندی تھا) ادا کرنے کا حکم دیا،

(۷) ایسی زمین جس کو کاشتکار نسلاً بعد نسلٍ کاشت کر رہا ہو، مگر اس کو یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو، کہ ابتدا تعلق یا بندوبست کی کیا صورت تھی، تو ایسی صورت مین بھی وہ کاشتکار شرعاً زمین کا مالک ہوگا، ردالمحتار مین ہی:

وقد قالوا ان وضع الید والتصرف	ان لوگون نے کہا کہ قبضہ اور تصرف
من اقوی ما یستدل بہ علی	ملک کی بہت قوی دلیل ہی اس لئے اسکو
الملک ولذا تصح الشھادۃ	ملک کی شہادت مین پیش کرنا صحیح ہے،
بانہ ملکہ (ج ۳ ص ۲۹۶ باب العشر والخراج)	

پھر اس کے بعد اراضی مصر اور شام کے متعلق علامہ سبکیؒ کا قول نقل کرتے ہوے جن کا خیال ہی کہ یہان کی زمین "وقف علی المسلمین" ہی) یہ تصریح کی ہے، کہ زمین کا مالک وہی ہوگا، جس کے قبضہ مین وہ ہی،

ثم قالوا من وجدنا فی یدہ	ہم جس کے قبضہ یا ملک مین زمین کا کوئی
او ملکہ مکانا منھا، فیحتمل انہ	حصہ پائینگے تو ہمین اسکا احتمال ہی کہ اس نے اسکا
احی او وصل الیہ وصولاً	احیا، کیا ہو، یا اوس کو صحیح طریقہ سے
صحیحاً، (ج ۳ ص ۲۹۷)	پہونچی ہو،

اس کے بعد علامہ محقق ابن حجر مکی نے شیخ الاسلام امام نووی کا اقلیم مصر کے متعلق یہ

واقعہ نقل کیا ہے کہ حکومت کی طرف سے جب یہ واقعہ پیش آنے کو تھا، کہ مالکان زمین سے زمین کی ملکیت کے متعلق وثائق طلب کئے جائین، اور جن کے پاس وثائق نہ ہون، ان کی زمین بحق بیت المال ضبط کر لی جائے، تو اس وقت شیخ الاسلام نے اسکی شدت کے ساتھ مخالفت کی، اور یہ فتوی دیا کہ جس کے قبضہ مین جو زمین ہے، وہ اس کا مالک ہے، اس پر نہ کسی کو اعتراض کا حق ہے، نہ دلیل و ثبوت طلب کرنے کا،

وقد اطال رحمه الله تعالی فی ذلک اطالة حسنة ردا علی من اراد انتزاع اوقاف مصر و اقلیمها وادخالها فی بیت المال بناء علی انها فتحت عنوة وصارت لبیت المال فلا یصح وقفها، و قال سبقه الی ذلک الملک الظاهر بیبرس فانه اراد مطالبة ذوی العقارات بمستندات تشهد لهم بالملک والا انتزعها من ایدیهم متعللا بما تعلل به ذلک الظالم فقام علیه شیخ الاسلام الامام النووی واعلمه بان ذلک غایة الجهل والعناد وانه لا یحل عند

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ان لوگونکی رد مین بہت اچھی اور طویل بحث کی ہے جنھون نے مصر کے اوقاف اور اسکی اقلیم کو اس بنیاد پر انکے مالکون کے قبضہ سے نکال کر بیت المال مین داخل کرنے کا ارادہ کیا، کہ وہ بقوت فتح کی گئی ہے، اس لئے بیت المال کی ملک ہے، اور اس کا وقف صحیح نہین ہے، اور فرمایا کہ اس سے پیشتر ملک ظاہر بیبرس نے اہل جائداد سے دستاویز طلب کرنیکا ارادہ کیا تھا، کہ وہ اپنی ملکیت کا ثبوت دین، ورنہ اُن کی جائدادین ضبط کر لیجائین گی اور کا سبب وہی تبلایا جو اس ظالم نے تبلایا، اس پر شیخ الاسلام نووی نے سخت مدافعت کی اور ان کو بتایا کہ یہ انتہا درجہ کا جہل اور عناد ہے

احد من علماء المسلمین بل من فی یدہ شیء فھو ملکہ لا یحل لاحد الاعتراض علیه ولا یکلف اثباته ببینة ولا زال النووی رحمة الله علیه یشنع علی السلطان ویعظه الی ان کف عن ذلک فھذا الخبر الذی اتفقت علماء المذاهب علی قبول نقله والاعتراف بتحقیقه و فضله نقل اجماع العلماء علی عدم المطالبة بمستند عملا بالید الظاهر فیھا انھا وضعت بحق (جلد ۳ ص ۲۹۶)

کسی عالم کے نزدیک یہ جائز نہین ہے بلکہ جس کے قبضہ مین جو چیز ہے وہ اسی کی ملک ہے، کسی کو اس پر حق اعتراض نہیں ہے، اور نہ اوس سے اس کا ثبوت طلب کیا جاسکتا ہے، امام نووی برابر سلطان کو اس پر ملامت اور نصیحت کرتے رہے یہانتک کہ وہ اس ارادہ سے رک گیا، پس وہ خبر جس کے قبول نقل اور اسکی تحقیق و فضل پر تمام علماء مذاہب کا اتفاق ہے اجماع علماء کی نقل ہے، کہ جس کے قبضہ مین زمین ہے اوس سے کسی وثیقہ کو طلب نہ کیا جائیگا، اور اسکا ظاہری قبضہ اس کے قبضہ کی صحت کے لئے کافی سمجھا جائیگا،

علامہ شامی اور غیر حنفی علماء کے اس فتوی اور اس اجماع کی نقل کے بعد حنفی مسلک کے اصول کے اپنی راے لکھتے ہین، کہ زمین کا مالک کاشتکار ہی ہوگا،

قلت فاذا کان مذهب هولاء الاعلام ان الاراضی المصریة والشامیة اصلها وقف علی المسلمین او لبیت المال ومع ذلک لم یجیزوا مطالبة احد یدعی شیئا انه ملکه بمستند

مین کہتا ہون کہ جب ان اکابر کا مسلک یہ ہے کہ مصر اور شام کی زمینین جو اصل مین مسلمانون پر وقف ہین، یا بیت المال کی ملک ہین اس کے باوجود یہ اکابر علما کسی کو انکی اجازت نہین دیتے کہ جو ان پر ملکیت کے مدعی محض اس احتمال پر ملکیت کے ثبوت کی سند

يشهد له بناء على احتمال انتقاله اليه بوجه صحيح فكيف يصح على من هبنا بانها مملوكة لاهلها اقروا عليها بالخراج كما قدمناه انه يقال انها صادت لبيت المال وليست مملوكة للزراع لاحتمال موت المالكين لها شيئاً فشيئاً بلا وارث فان ذلك يودى الى ابطال اوقافها وابطال المواريث فيها وتعدى الظلمة على ارباب الايدى الثابتة المحقة فى البلاد المتطاولة بلا معارض ولا منازع (جلد ۳ صفحہ ۳۹)

طلب کرے کہ ممکن ہے یہ زمین اسکے پاس صحیح طور پر پہونچی ہو، پس ہمارے مذہب کی رو سے اس زمین کے متعلق جو اسکے مالک کی ملک ہے جسکے خراج کا انھون نے اقرار کیا ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہین، یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ وہ زمین بیت المال کی ہوگئی، کاشتکار کی ملکیت نہین رہی، محض اس احتمال کی بنا پر کہ اس کے مالک ایک ایک کرکے بغیر وارث کے مرگئے ہون کیونکہ یہ چیز تو ان کے اوقاف کو باطل کردیتی ہے، اسمین میراث کو باطل کرتی ہے، ایسا کہنا ان مالکون پر جن کا حق اور قبضہ بغیر کسی جھگڑے کے مدتون سے ثابت ہے ظالمون کی تعدی ہوگی،

اس کے بعد علامہ شامی قول فیصل یہ لکھتے ہین کہ اس زمین کے سوا جس کا دلیل شرعی سے بیت المال کے لئے ہونا معلوم ہو، تمام زمین چاہے مصر کی ہو یا شام کی، یا اسی طرح کی دوسری جگہ ہو، سب کا مالک کاشتکار ہوگا،

والحاصل فى الاراضى الشامية والمصرية ونحوها ان ما علم منها كونه لبيت المال بوجه شرعى

حاصل یہ ہے کہ شام مصر یا اسکے مثل دوسرے مقامات کی اراضی مین جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ شرعی طریقہ سے بیت المال کی ملک ہے،

فحكمه ما ذكره الشارح عن الفتح وما لم يعلم فهو ملك لاربابه والماخوذ منه خراج لا اجرة لانه خراجى فى اصل الوضع فاغتنم هذا التحرير فانه صريح الحق الذى يعض عليه بالنواجذ الخ (جلد ۳ صفحہ ۳۹ ایضاً)

وہ حکم ہے جو شارح نے فتح سے نقل کیا ہے اور جس کے متعلق علم نہ ہو، وہ ان کے مالکون کی ملک ہے اور ان سے خراج لیا جائے گا، نہ کہ اجرت، کیونکہ وہ اپنی اصلی وضع مین خراجی ہے، اس تحریر کو غنیمت سمجھو یہ ایسا کھلا ہوا

بہرحال ایسی زمین جو کاشتکار کی کاشت مین بذریعۂ وراثت یا خریداری وغیرہ کے مدت سے چلی آرہی ہو، اور اس کے قبضہ مین ہو، اور بیع و شراء کا عمل اس مین جاری ہو، اور وہ اس کا خراج (لگان) ادا کر رہا ہو، وہ اس کا آئین اسلامی کی رو سے مالک ہوگا، اور اس کے حقِ ملکیت کے خلاف کوئی دعوی بغیر قوی دلیل کے قابلِ لحاظ نہین ہوگا، اور نفس مخاصمت کے مقابلہ مین کاشتکار کا دعوی ملکیت ہی قابلِ قبول ہوگا، ردالمحتار مین ہے،

فاذا ادعى واضع اليد الذى تلقاها شراءً او ارثاً او غيرهما من اسباب الملك انها ملكه وانه يودى خراجها فالقول له وعلى من يخاصمه فى الملك البرهان ان صحت دعواه عليه شرعاً واستوفيت شروط الدعوى (ج ۳ صفحہ ۳۹۶)

پس اگر وہ قابضِ زمین جس نے اس زمین کو خرید کر یا میراث سے یا دوسرے اسبابِ ملک سے حاصل کیا ہے، یہ دعوی کرے کہ یہ اسکی ملک ہے اور یہ کہ وہ اس کا خراج ادا کرتا ہے، تو اسکی بات مانی جائیگی، اور جو شخص اسکی ملک میں مدعی ہوگا اگر اسکا دعوی شرعی حیثیت سے صحیح ہے اور اسمین صحت

تیموری شاہزادیون کا علمی ذوق

از

سید صباح الدین عبدالرحمٰن (علیگ) رفیق دار المصنفین

ہندوستان کے شاہان تیموری کی علم دوستی اور حسنِ مذاق کا یہ نمایان ثبوت ہے کہ جہان انھون نے حکومت کا نظم ونسق سنبھالنے اور ملک داری کے لئے اپنے شہزادون کو اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا، وہان انھون نے شہزادیون کو بھی اس سے محروم نہ رکھا، اور نہ صرف ان کے دربارون مین علم وفن کی مجلسین قائم تھین، بلکہ ان کے خلوتکدون مین بھی علم وادب کی بزم آراستہ تھی، یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ فتوحات کی معرکہ آرائیون اور جنگِ جانشینی کی خون آشامیون کے باوجود تیموریون نے جلوت اور خلوت دونون کو علم و ہنر کی شمع سے منور رکھا، چنانچہ علمی حیثیت سے تیموری شاہزادون کے ساتھ ایسی تیموری شاہزادیان بھی ملتی ہین، جن کی ذات پر اربابِ علم وفضل کو بجا طور پر ناز ہو سکتا ہے،

گلبدن بیگم تیموری شاہزادیون کی علمی بزم مین سب سے پہلے گلبدن بیگم پر نظر پڑتی ہی، جو بابر کی بیٹی تھی، بابر کے لڑکون مین ہمایون کامران ہندال اور عسکری نے میراث مین علم، ادب اور شعر وشاعری کا ذوق پایا، اسی دودمانِ فضل وکمال کے گہوارہ مین گلبدن بیگم نے بھی پرورش پائی، اور اپنی اعلیٰ تعلیم وتربیت کی بدولت ترکی اور فارسی زبان کی قابلِ قدر انشاپرداز اور شاعر ہوئی، فارسی زبان مین اوسکی ایک مستقل تصنیف ہمایون نامہ ہے، جو اپنے طرزِ انشا

کے لئے ایک بے مثل کتاب اور بابر و ہمایون کے عہد کے تمدنی، معاشرتی اور تاریخی واقعات کے لئے ایک قیمتی ماخذ ہی،

یہ کتاب دراصل اکبر کے حکم سے اکبر نامہ کی ترتیب و تدوین کے وقت بابر اور ہمایون کے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لئے لکھی گئی تھی لیکن اپنی مختلف خصوصیات کی بنا پر ایک اہم تالیف ہو گئی، یہ کتاب عرصہ تک پردہ گمنامی مین پڑی تھی، لیکن انگلستان کی ایک علم دوست خاتون نے اس کے متعدد نسخے بہم پہنچائے اور اس کو بڑی محنت وکاوش سے اڈٹ کر کے ۱۹۰۲ء مین لندن سے شائع کیا، اس کے دیباچہ مین خاتون مذکور نے گلبدن بیگم کی مفصل سوانح عمری لکھی، اور کتاب مین بیگمات کے جتنے نام آئے ہین، اُن سب کے بھی حالات قلمبند کئے، اس کے علاوہ جا بجا جو ترکی الفاظ استعمال کئے گئے ہین، ان کی تحقیق کی، اور پھر فارسی متن کے ساتھ انگریزی ترجمہ بھی منسلک کیا، اس کتاب کی اشاعت پر مولانا شبلی مرحوم کو بڑی خوشی ہوئی تھی، اور اس پر الندوہ جلد ۵ نمبر ۳ مین ایک مفصل ریویو لکھا تھا، جس سے بہتر ریویو آج بھی کوئی اہل قلم نہیں لکھ سکتا ہے، مولنا مرحوم نے اس کتاب کی جو خصوصیات اور خوبیان بتائی ہین، ہم اس مضمون مین ان کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہین، تاکہ ایک عدیم المثال ادیب اور مورخ کی تحریر کی روشنی مین اس کتاب کی ادبی اور تاریخی اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکے،

اس کتاب کی انشا پردازی کے متعلق مولانا مرحوم رقمطراز ہین :-

”فارسی زبان مین سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عمدہ سے عمدہ نمونہ تزکِ جہانگیری اور رقعاتِ عالمگیری ہین، اور اس مین شبہہ نہین کہ یہ کتابین سادگی اور لطافت کے لحاظ سے اس قابل ہین کہ ہزارون ظہوری اور وقائع نعمت خان ان پر نثار کر دی جائین لیکن انصاف یہ ہی کہ ہمایون نامہ کچھ ان سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے، اس کے چھوٹے

چھوٹے فقرے، سادہ اور بے تکلف الفاظ، روزمرہ کی عام بول چال، طرز ادا کی
بے ساختگی دل کو بے اختیار کر دیتی ہے"

عبارت کی سادگی اور طرز ادا کے بے ساختہ پن کی مثالین بکثرت ہین، ہم طوالت کے خیال سے ان کو یہان پر نقل نہین کرتے ہین، مولانا شبلی نے نمونے کے طور پر چند اقتباسات پیش کئے ہین، جو مقالات شبلی جلد چہارم مین پڑھے جاسکتے ہین، البتہ مولنا مرحوم نے جو روزمرہ کے محاورے کتاب سے چن کر جمع کئے ہین، ان مین سے بعض ملاحظہ ہون:

بازی می داد (ہار جاتا تھا) ظرافتہا می کرد (شوخیان کرتا تھا) بیائید تا یکدیگر را دریابیم (آؤ گلے لگین) خفتن شد (سونے کا وقت آیا) سر حضرت شوم (آپ پر قربان ہون) روستائی گری (گنوارپن) وغیرہ وغیرہ، مولنا شبلی کا بیان ہے کہ اس قسم کی روزمرہ کی زبان اس عہد کی تصنیفات مین بہت کم ملے گی،

مولنا شبلی رقمطراز ہین کہ تاریخی حیثیت سے اس کتاب کی قابل قدر خصوصیت یہ ہے کہ اس مین اس عہد کے تمدن، شائستگی، معاشرت اور خانگی زندگی کے مختلف پہلوؤن کو روشن کرکے دکھایا گیا ہے، مثلاً وہ کسی شادی یا جلسہ کی تقریب کا حال لکھتی ہے، تو اس کی ہوبہو تصویر کھینچ دیتی ہے، عورتون کے متعلق وہ بہت سے نئے معلومات فراہم کرتی ہے، مثلاً عورتین لکھنے پڑھنے کے علاوہ فنون سپہگری سے بھی خوب واقف ہوتی تھین، سفر اور سیر و شکار مین عموماً گھوڑے پر سوار ہوتی تھین، بعض اوقات وہ مردانہ لباس بھی پہنتی تھین، مہر انگیز بیگم (یعنی مظفر حسین مرزا بیگرہ کی بیٹی) کے بارہ مین لکھتی ہے، کہ وہ مردانہ لباس مین ملبوس رہتی تھی، اور مختلف ہنر مثلاً تیر تراشی، چوگان بازی، تیر اندازی اور ساز بجانے مین ماہر تھی، ہمایون جب ایران گیا تو اسکی ایک بہن ہمیشہ ایک گھوڑے پر سوار اسکے عقب مین چلتی تھی، خاندان کے آدمی جب ایک

جگہ مل کر بیٹھتے تھے، تو عورتین خود بھی گانے مین شریک ہوتی تھین، لیکن یہ احتیاط رہتی تھی، کہ اس وقت کوئی بیگانہ آدمی نہ ہو، عورتون کا نہایت احترام کیا جاتا تھا، بابر کی بیوی ماہم بیگم کابل سے ہندوستان آئی، تو بابر دو کوس تک پیدل استقبال کو گیا، ملکی معاملات مین عورتون سے بھی مشورے لئے جاتے تھے، اور ہر قسم کے امور مین ان کی شرکت ضروری سمجھی جاتی تھی وغیرہ وغیرہ، مولانا شبلی مرحوم نے اس کتاب کی ایک اور تاریخی خصوصیت یہ بتائی ہے، کہ گلبدن بیگم تاریخی واقعات لکھنے مین اس بات سے بخوبی واقف ہے، کہ کس واقعہ کو سمیٹ کر اور کس واقعہ کو پھیلا کر لکھنا چاہئے، وہ خوب جانتی ہے کہ کون سا واقعہ کیا اثر رکھتا ہے، اور اس لئے اس کے اسباب و علل سے کہان تک بحث کرنی چاہئے،

ریاض الشعراء (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) اور مخزن الغرائب (قلمی نسخہ دار المصنفین) مین گلبدن بیگم کا نام بھی شعرا کی فہرست مین درج ہے، لیکن دونون تذکرون مین اس کا صرف مندرجۂ ذیل ایک شعر منقول ہے، مسز بیورج نے اسی شعر کو ہمایون نامہ کے دیباچہ مین میر مہدی شیرازی کے تذکرۃ الخواتین سے نقل کیا ہے،

هر پری رو که او با عاشق خود یار نیست تو یقین میدان که هیچ از عمر برخوردار نیست

گلرخ بیگم بابر کی ایک دوسری لڑکی گلرخ بیگم صالحہ سلطان بیگم کے بطن سے تھی، وہ بھی شعر و شاعری سے ذوق رکھتی تھی، اور اشعار موزون کرتی تھی، صبح گلشن مؤلفہ نواب علی حسن خان مرحوم مین اسکی شاعری کا ذکر ان الفاظ مین کیا گیا ہے:-

"بگلرخی و شگفتہ روئی و سلیقہ شاعری سرآمد زمرۂ نسوان غنچہ دہانش بہ نسیم اشعار لطیف می شگفت"

ریاض الشعراء، مخزن الغرائب اور صبح گلشن مین اسکی طرف یہ شعر منسوب ہے:-

ہیچگہ آن سرو گل رخسار بے اغیار نیست
راست بودہ است آنکہ در عالم گلِ بے خار نیست

سلیمہ سلطان بیگم یہ بابر کی نواسی اور گلرخ بیگم کی بیٹی تھی، پہلے خانخانان بیرم خان سے بیاہی گئی، اوس کے انتقال کے بعد اکبر کے حبالہ عقد میں آئی، سیاسی واقعات میں اس کا نام نمایاں اُس وقت ہوا، جب شہزادہ سلیم نے اکبر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، سلیمہ سلطانہ ہی کی مساعیِ جمیلہ سے اکبر اور سلیم میں مصالحت ہوئی، اس سلسلہ میں اکبرنامہ منتخب التواریخ اور لب التواریخ میں اس کا ذکر بار بار آتا ہے، جہانگیر اس کی علمی قابلیت کا معترف ہے، اس کے انتقال پر تزک جہانگیری (ص ۱۱۴ نولکشور پریس) میں لکھتا ہی:

"بہ جمیع صفاتِ حسنہ آراستگی داشتند، در زنان این مقدار ہنر و قابلیت کم جمع می شود"

اسکو شعر و شاعری سے بھی زیادہ مناسبت تھی آئین اکبری (بلاخ من ص ۳۰۹) اور مآثر الامرا (جلد اول ص ۳۶) میں ہی کہ اس کا تخلص مخفی تھا، لیکن مخزن الغرائب کے مؤلف کا بیان ہے کہ اُس کا تخلص مخلص تھا، تذکروں میں صرف اس کا حسبِ ذیل ایک شعر نقل کیا گیا ہی،

کاکلت را من زمستی رشتہ جان گفتہ ام
مست بودم زین سبب حرفِ پریشان گفتہ ام

مخزن الغرائب (ورق ۲۰۰) میں فیضی کے مرثیہ پر حسب ذیل رباعی درج ہے، جو ایک خاتون کاملہ بیگم کے ذکر میں نقل کی گئی ہے، کاملہ بیگم کے حال میں کسی قسم کا کوئی تعارف نہیں مگر تذکرہ نگار نے رباعی سے پہلے یہ بھی تحریر کیا ہی، کہ بعض نسخوں میں رباعی سلیمہ بیگم کی طرف بھی منسوب ہے،

فیضی مخور این غم کہ دلت تنگی کرد
باپاے امید عمر لنگی کرد،
مےخواست کہ مرغ روح بیند رُخ دوست
زین واسطہ از قفس شتاب آہنگی کرد

مؤرخین سلیمہ بی بی کی کتب بینی کے شوق کے بھی معترف ہیں، اسی شوق کی تکمیل کے لئے اس کے پاس ایک ذاتی کتب خانہ بھی تھا،

ماہم بیگم یہ بیگم دودمان تیموری کی چشم و چراغ تو نہ تھی، لیکن ہندوستان کے سب سے بڑے تیموری بادشاہ یعنی اکبر بادشاہ کی مرضعہ تھی، اس لئے اس کا ذکر اس سلسلہ میں بیجا نہ ہوگا، ماہم بیگم ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون تھی، اسی لئے علم و فضل کی ترویج کی خاطر اس نے دہلی میں ایک اعلیٰ پیمانہ کا مدرسہ خیر المنازل کے نام سے قائم کیا، سرسید احمد خان نے آثار الصنادید میں اس مدرسہ کا ذکر کیا ہی، یہ مدرسہ پرانے قلعہ کے پاس واقع تھا، اسکی عمارت اب منہدم ہوگئی ہی، اس پر جو کتبہ منقوش تھا، اس کو سرسید احمد خان نے اپنی کتاب (باب اول ص ۴۰) میں نقل کیا ہے، اور وہ یہ ہی:

بدوران جلال الدین محمد
کہ باشد اکبر شاہانِ عادل
چو ماہم بیگم عصمت پناہی
بنا کرد این بنا بہر افاضل
دلے شد ساعی این بقعہ خیر
شہاب الدین احمد خانِ باذل
زہے خیریت این خیر منازل
کہ شد تاریخ او "خیر المنازل"

اس مدرسہ کے ساتھ طلبہ کے لئے ایک بہت ہی حسین مسجد بھی تھی، ایک انگریز ماہر آثار قدیمہ نے اس مسجد کو دیکھکر اس کا تحسین آمیز نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے

"مسجد پانی سے گھسے ہوئے نوکدار پتھروں کی بنی ہوئی ہے، جہاں نقش و نگار ہیں، وہاں سُرخ پتھر اور گرانیٹ لگائے گئے ہیں، پھاٹک گو اب مسمار ہو چکا ہی، لیکن بہت ہی خوبصورت ہے، مسجد کا اندرونی حصہ رنگین پلاسٹر اور چمکدار اینٹوں سے مزین ہے، عمارت کا رُخ اور پھاٹک رنگین تمغوں اور ترشے ہوے پتھر کے پھولوں سے منقش ہیں ان میں رنگ نیلے، زرد، سرخ، ارغوانی، سپید، سبز اور سیاہ استعمال کئے گئے ہیں،

اس مسجد مین صرف ایک گنبد ہے، جس کی گردن نیچی ہے، اس کا کنگرہ بہت ہی عجیب و غریب ہے، جو مسجد قلعۂ کہنہ کے کنگرے سے مشابہ ہے، مسجد کی دیوارین عمودی ہین لیکن مینارے ڈھلوان ہین، موتی مسجد کی طرح چھجے سامنے نکلے ہوئے ہین، اس مسجد مین حجرے ہین جو اور مسجدین نہین دیکھے گئے، (ارکیالوجی آف دلی، مولفہ سی اسٹیفن بحوالہ پر و موشن آف محمڈن لرننگ مرتبہ این ان لا، ص ۱۶۶)

یہ مسجد جس فیاضی اور فراخدلی سے طلبہ کے لئے بنائی گئی تھی، وہ ماہم بیگم کی تعلیمی دلچسپی کی بڑی دلیل ہے،

نورجہان بیگم | نورجہان بیگم بھی نسلاً تیموری نہ تھی، لیکن ایک تیموری حکمران کی بیوی بن کر شاہی حرم اور حکومت کے لئے باعثِ رونق و زینت بنی، اس لئے یہ مضمون تشنہ رہے گا، اگر اس کا ذکر ان صفحون پر نہ کیا جائیگا،

نورجہان نے شاہی محل مین داخل ہوتے ہی اپنے جمالیاتی ذوق سے حرم کی عورتون کا سارا مذاق ہی بدل دیا، پہننے اوڑھنے، بناؤ سنگار، فرش فروش اور زیور و آرایش کی چیزون مین اتنی جدتین پیدا کین، کہ سارے ملک مین یہی رنگ غالب آگیا، اس حسن مذاق کے ساتھ قدرت نے نورجہان کو علم و ادب کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا، ایک علم پرور باپ کی بیٹی اور ایک اعلیٰ ادیب و انشا پرداز اور شاعر کی بیوی تھی، اس لیے باپ کی وراثت اور شوہر کی رفاقت سے اسکی علمی صلاحیت اور لیاقت کو اتنی جلا ہوئی کہ اب تک اسکی استعداد علمی اور سخن سنجی کی داد دی جاتی ہے، مراۃ الخیال کے مؤلف کا بیان ہے:-

"در بذلہ سنجی و سخن گوئی و شعر فہمی و حاضر جوابی از نساے زمان ممتاز بود" (ص ۱۲۸)

ید بیضا مؤلفہ آزاد بلگرامی (قلمی نسخہ دار المصنفین) مین ہے:-

"در وادی شعر بسیار خوش سلیقہ است"

اسکی تصدیق منتخب اللباب اور مآثر الامرا سے بھی ہوتی ہے، نورجہان کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی کے لطیفے آج کل کی علمی مجلسون مین مشہور ہین، مگر پھر بھی اس مضمون مین ان کا اعادہ شاید دلچسپی اور تفریح سے خالی نہ ہوگا،

ایک روز جہانگیر نے لباس تبدیل کیا جس کا تکمہ "لعل بے بہا" کا تھا، نورجہان نے اسکو دیکھتے ہی فوراً یہ شعر پڑھا:-

ترا نہ تکمۂ لعل است بر قباے حریر
شدہ است قطرۂ خون منتِ گریبان گیر

ایک موقع پر جہانگیر نے عید کا چاند دیکھ کر یہ مصرع موزون کیا،

ہلالِ عید براوجِ فلک ہویدا شد

نورجہان نے فی البدیہہ دوسرا مصرع پڑھا،

کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

مفتاح التواریخ (مؤلفہ سر طامس ولیم بیل) مین نورجہان کی بدیہہ گوئی کی کچھ اور مثالین منقول ہین، ایک مرتبہ جہانگیر نورجہان سے کئی روز کے بعد ملا، ملنے کی خوشی مین نورجہان کی آنکھون سے آنسو روان ہو گئے، جہانگیر نے اس کیفیت کو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا،

گوہر ز اشک چشم تو غلطیدہ می رود

نورجہان نے فوراً دوسرا مصرع فی البدیہہ کہا،

آبے کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ می رود

ماہ محرم ۱۰۲۸ھ مین ایک دم دار ستارہ نظر آیا، نورجہان نے اوس کو دیکھ کر یہ شعر موزون کیا:-

---

[1] تذکرۂ سرخوش، قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال و خافی خان جلد اول صفحہ ۲۷۰، و مراۃ الخیال ص ۱۲۹،

ستارہ نیست بدین طول سر بر آوردہ — فلک بشاطری شہ کمر بر آوردہ

ملک الشعراء طالب آملی ایک بار شاہی عتاب میں پڑ کر محبوس ہو گیا، حالت حبس میں
نورجہاں کے پاس یہ شعر لکھ کر بھیجا،

ز شرم آب شدم آب را شکستے نیست — بحیرتم کہ مرا آبروے از چہ شکست

نورجہاں نے فوراً یہ لکھکر جواب دیا، "یخ بست و بشکست"[1]

مآثر الامراء کے مؤلف کا بیان ہے کہ نورجہاں کا تخلص مخفی تھا[2]، مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ تیموری
شہزادیوں میں جس کسی نے شعر و شاعری میں طبع آزمائی کی، اسکی طرف یہی تخلص منسوب کیا گیا، مرآۃ
الخیال[3]، منتخب[4] اللباب اور مآثر الامراء[5] کے مؤلفین نے نورجہاں کے یہ اشعار اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں

دل بصورت ندہم تا نشد سیرت معلوم — بندۂ عشقم و ہفتاد و دو ملت معلوم
زاہدا ہول قیامت مفگن در دل ما — ہول ہجران گذرانیدیم قیامت معلوم

مفتاح التواریخ میں یہ دو رباعیاں بھی نورجہاں کی طرف منسوب ہیں،

کشاد غنچہ اگر از نسیم گلزار ہست — کلید قفل دل ما تبسم یار ہست
نہ گل شناسد و نہ رنگ و بو نہ عارض و زلف — دل کسے کہ بحسن دادہ گرفتار ہست

دیگر

چو بردارم ز رخ برقع ز گل فریاد برخیزد — ز نم بر زلف اگر شانہ ز سنبل داد برخیزد
باین حسن دکھلاتے چو در گلشن گذر سازم — ز جان بلبلان شور مبارکباد برخیزد[6]

---

[1] یہ تمام روایتیں میری نظر سے مفتاح التواریخ (ص ۳۱۴) کے علاوہ کسی اور تاریخ اور تذکرے
میں نہیں گذریں [2] مآثر الامراء جلد اول ص ۱۲۴ [3] مرآۃ الخیال ص ۵۳۲ [4] منتخب اللباب از خافی
خان جلد اول ص ۲۷۰ [5] مآثر الامراء جلد اول ص ۱۲۴ [6] یہ رباعیاں کسی اور تذکرہ میں میری

نورجہاں شعراء کی بھی سرپرست تھی، مرآۃ الخیال کے مؤلف کا بیان ہے کہ "دانش آموز
سخن دان نواب قاسم خان" شاعر کی حیثیت سے نورجہاں ہی کی سرپرستی اور قدردانی سے ممتاز ہوا"
نواب قاسم خان نورجہاں کی حقیقی بہن منیجہ بیگم کا شوہر تھا، نورجہاں کی وساطت سے جس طرح
قاسم خان کو شعر و شاعری میں فروغ حاصل ہوا، اس کا حال مؤلف تذکرۂ مرآۃ الخیال اس
طرح لکھتا ہے، (ص ۱۲۹)

"نورجہاں بیگم را قاسم خان مناظرہ و مشاعرہ بسیار دست می داد، او در فن شعر مسلم
نمی داشت تا آنکہ طرح غزلے تازہ درمیان آمد و شعرائے پایہ تخت ازان درماند
و قاسم خان این سہ بیت نوشتہ نزد بیگم فرستاد، و ازان ہنگام زور طبعش در سخنوری
قبول نمود ابیات این است:

گر شوی سایہ نشین روئے بخت باغبان — سایہ بر خورشید انداز و درخت باغبان
فاختہ چون دید بے گل باغ را نالید و گفت — از چہ رو با گل نرفت این جان سخت باغبان
جشن نوروز است و فراش بہار از فیض طبع — طرح کرد از سبزہ و گل تاج و تخت باغبان

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۶) نظر سے نہیں گذریں تعجب ہے کہ مفتاح التواریخ میں مندرجہ ذیل شعر نورجہاں ہی کا بتایا گیا ہے

نورجہاں گرچہ بصورت زن است — در صف مردان زن شیر افگن است

ید بیضا (قلمی نسخہ دارالمصنفین) میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے نورجہاں کی بدیہہ گوئی کی
ایک مثال میں یہ شعر بھی نقل کیا ہے،

بقتل من اگر شاہا دلت خوشنودی گردد
بجاں منت دو تیغ تو خون آلودی گردد

اسی کے ساتھ ایک غیر سنجیدہ روایت بھی منقول ہے،

نورجہان نے کمال کو جس طریقہ سے شاہی دربار مین روشناس کرایا، اس کا ذکر جہانگیر کے علمی ذوق مین کیا جا چکا ہے، نورجہان کی مصاحبت مین بعض ایسی عورتین بھی تھین جو شاعری مین کافی دسترس رکھتی تھین، ان ہی مین ایک مہری ہروی تھی، جس کے بارے مین مراۃ الخیال کا مولف لکھتا ہے:

"سماۃ مہری ہروی خورشید طلعتی بود کہ کرشمۂ جمالش عروسان بہشت را جلوہ گری آموختے و از تاب عذارش آفتاب عالمتاب در آتش غیرت سوختے، با این ہمہ حسن و رعنائی بالماس فکر بکر درہاے مضامین آبدار سفتے و سخن را بسیار نازک گفتے"۔

مراۃ الخیال مین مہری ہروی کا ایک دلچسپ لطیفہ درج ہے، نورجہان مہری ہروی کے ساتھ محل کے بالانشین پر بیٹھی تھی، کہ مہری ہروی کا شوہر خواجہ حکیم نیچے نظر آیا، نورجہان نے ہروی کو اسکے شوہر کو اوپر بلانیکا حکم دیا، حکم پا کر خواجہ حکیم نے اضطراب اور عجلت مین حاضر ہونے کی کوشش کی، مگر گھبراہٹ مین اس کے پاؤن لڑکھڑائے، اس اضطراب، عجلت اور گھبراہٹ کی حرکتون کو دیکھکر نورجہان نے مہری ہروی کو ان کیفیات پر اشعار موزون کرنے کی فرمایش کی، مہری ہروی نے خواجہ حکیم کو مخاطب کرکے کہا:-

مرا با تو سر یاری نماندہ سر مہر و وفاداری نماندہ

ترا از ضعف پیری قوت و زور چنانکہ پای برداری نماندہ

نورجہان ہنس پڑی، اور مہری کو اس صلہ مین نقد و جنس کی صورت مین انعام دیا[۱]،

---

[۱] مراۃ الخیال ص ۵۲۲ مہری کی ایک غزل ملاحظہ ہو،

حل ہر نکتہ کہ بر پیر خرد مشکل بود از مود یم بیک قطرۂ مے حاصل بود

گفتم از مدرسہ پرسم سبب حرمت مے در ہر کس کہ زدم بیخود و لایعقل بود

ممتاز محل شاہجہان کی محبوب بیوی ارجمند بانو بیگم الملقب بہ ممتاز محل بھی زیور علم و فضل سے آراستہ تھی، اور وہ نہ صرف سخن فہم، بلکہ سخن سنج بھی تھی، اس کا اندازہ اس مشہور واقعہ سے ہو سکتا ہے، کہ ایک بار شاہجہان جمنا کے کنارے بیٹھکر دریا کے مناظر دیکھ رہا تھا، کہ اوسکی موجون کی طرف اشارہ کرکے ممتاز محل سے کہا،

آب از برائے دیدنت می آید از فرسنگہا

ممتاز محل نے اوس کا دوسرا مصرع فوراً موزون کیا،

از ہیبت شاہجہان سر می زند بر سنگہا[۱]

جہان آرا بیگم شاہجہان اور ممتاز محل کی بیٹی تھی، جو سیاسی واقعات کے لئے بھی اپنے عہد مین بہت نمایان رہی، ممتاز محل کی گود اور نورجہان کی صحبت اور شاہجہانی عہد کی اعلیٰ علمی فضا مین رہکر علم و فضل کے لحاظ سے بھی مشہور ہوئی، بچپن مین تعلیم ستی النساء خانم سے حاصل کی جو ملک الشعراء طالب آملی کی بہن اور حکیم رکن کاشی کے بھائی کی بیوی تھی، یہ خاتون حافظہ تھی، اور اپنی زباندانی، ادب شناسی اور علم قرأت و تجوید مین امتیازی حیثیت رکھتی تھی، ممتاز محل اور شاہجہان دونون اس کے قدردان تھے، ممتاز محل کی مہردار تھی، اور اس کے انتقال کے بعد محل کی "صدارت" اسی کے سپرد ہوئی، اسکی وفات کے بعد شاہجہان نے تیس ہزار روپے خرچ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۸) خواستم سوز دل خویش بگویم با شمع داشت او خود بزبان انچہ مرا در دل بود

در چمن صبحدم از گریہ و زاری من لالہ سوختہ خون در دل و پا در گل بود

آنچہ از بابل و ہاروت روایت کردند سحر چشم تو بدیدم ہمہ را شامل بود

دولتے بود تماشای رخت مہری را حیف و صد حیف کہ این دولت مستعجل بود

[۱] یہ روایت بعض اردو کی کتابون مین منقول ہے مگر فارسی تذکرون اور تاریخون مین میری نظر سے نہین گذری،

کر کے اس کا مقبرہ بنوایا، جو روضہ تاج گنج مین ہے، جہان آرا بیگم نے اسی خاتون کے زیر تعلیم رہکر قرأت اور تجوید سیکھا[1] اور یہ بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے، کہ جہان آرا بیگم نے اعلیٰ قسم کی تعلیم پائی، کیونکہ وہ مصنف بھی ہوئی اور شاعر بھی، جب وہ صرف چھبیس سال کی تھی تو اوس نے سنہ ۱۰۴۹ھ مین مونس الارواح لکھی، جس مین حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ کے اکابر خلفاء مثلاً شیخ حمید الدین ناگوریؒ، حضرت قطب الدین کاکیؒ، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت چراغ دہلویؒ کے بہت ہی عقیدتمندانہ احوال مندرج ہین، جس سے اوس کے مذہبی اور صوفیانہ ذوق کا صحیح طور پر اندازہ ہوتا ہے، اس کتاب کی تالیف مین اوس نے بڑی احتیاط کی ہے، چنانچہ ایک جگہ وہ رقمطراز ہے۔

"احوالِ این بزرگانرا کہ مقربان درگاہ صمدیت اند از کتب و رسائلِ معتبرہ باحتیاط تمام بیرون آوردہ بقیدِ تحریر آوردہ شد، و اعتقادِ این ضعیفہ آنچہ درین رسالہ ثبت گردید صحتِ تمام دارد، امید کہ خوانندگانرا فیض و بہرۂ تمام ازان حاصل آید"۔

اس احتیاط کے علاوہ کتاب کی دو اور خصوصیات ہین، ایک تو یہ کہ یہ بہت ہی ادب اور احترام کے ساتھ لکھی گئی ہے، حضرت معین الدین اجمیریؒ کے ذکر کی ابتدا ان اشعار کے ساتھ کرتی ہے،

آن شہنشاہ جہانِ معرفت ذاتِ او بیرون ز ادراک و صفت

خسروِ ملکِ فنا بے تخت و تاج از خود و از غیرِ خود بے احتیاج

غرقِ بحرِ عشق از صدق و صفا از خودی بیگانہ با حق آشنا

کردہ مرغ ہمتش ز اوجِ کمال بیضۂ افلاک را در زیر بال

اخترِ برجِ سپہرِ لم یزل گوہرِ درجِ کمالِ بے بدل

---

[1] مآثر الکرام جلد دوم ص ۵۰-۵۱،

آن معینِ دین و ملت بے نظیر فارغ از دنیا بملکِ دین امیر

در ثنائے او زبانم راچہ حد فیض او باید کہ فہم ما بدہد

وہ جب حضرت معین الدین چشتیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے گئی، تو وہان کے جن تاثرات کو قلمبند کیا ہے، ان سے بھی اس کی والہانہ عقیدتمندی اور اخلاص کا اظہار ہوتا ہے،

"می گوید فقیرۂ حقیرہ جہان آرائے کہ چون از یاوری بخت و فیروزی طالع از دار الخلافہ اکبر آباد در خدمت والد بزرگوار خود متوجہ خطۂ پاک حضرت اجمیر بے نظیر شدم از تاریخ ہژدہم ماہ شعبان المعظم سنہ یکہزار و پنجاہ و سنہ ہجری تا تاریخ جمعہ ہفتم ماہ رمضان المبارک کہ داخل عمارات کنار تال انا ساگر گشتم، موفق شدم باین معنی کہ ہر روز و ہر منزل دو رکعت نماز نافلہ ادا می کردم و یکبار سورہ یٰسین با فاتحہ از کمال اخلاص و عقیدتمندی خواندہ و ثواب آنرا بروح پر فتوح مطہر منور حضرت پیر دستگیر خواجہ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ نثار می نمودم و چند روز کہ در عمارات مذکورہ توقف واقع شد، از نہایت ادب شبہا بر پلنگ نخوابیدم و بطرف روضۂ متبرکہ حضرت پیر دستگیر پا دراز نساختم، بلکہ پشت باآنجانب نکردم و روزہا در زیر درختان می گذرانیدم .... و در مسجد سنگ مرمر کہ پدر بزرگوار حق شناس این حقیرہ راست کردہ اند، رفتہ نماز ادا کردہ و باز در گنبد مبارک نشستہ سورۂ یٰسین و فاتحہ بروح پر فتوح خواندم تا وقت نماز مغرب در آنجا بودم و شمع بارواح آنحضرت روشن کردہ، روزہ باب جالرہ افطار کردم عجب شامی دیدم آنجا کہ بہتر از صبح بود، اگرچہ اخلاص و محبت این فانیان تقاضائے آن می کرد کہ باین قسم جای متبرک

پر فیض گوشۂ عافیت رفتہ باز بخانہ بیایدا ما چہ چارہ ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اگر اختیار میداشتم ہمیشہ در روضۂ حضرت کہ عجب گوشۂ عافیت است و من عاشق گوشۂ عافیت

ہستم بسر می بردم و بہ سعادت طواف نیز مشرف می شدم ناچار بچشم گریان و دل بریان بعد

ہزار افسوس ازان درگاہ رخصت شدہ بخانہ آمدم و تمام شب طرفہ بے قراری در من بود"

مونس الارواح کا سنہ تالیف سنہ ۱۰۴۹ھ ہے، لیکن یہ عبارت سنہ ۱۰۵۳ء مین بطور ضمیمہ لکھی گئی ہی،

جو دار المصنفین کے قلمی نسخہ مرقومہ سنہ ۱۰۶۸ھ مین ہی،

اس کتاب کی دوسری خصوصیت اس کا طرز انشا رہے، مولنا شبلی مرحوم نے اسکی عبارت

کو نہایت "صاف اور شستہ"[1] بتایا ہے، جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے بھی معلوم ہوگا،

مونس الارواح کا نسخہ چھپ گیا ہے، مگر اس کا ایک بہت ہی خوشخط نسخہ دار المصنفین مین ہی،

یہ نسخہ جہان آرا نے دربار کے مشہور خوشنویس عاقل خان سے وصلیون پر لکھوایا تھا، اور تمام کتاب

کو طلائی نقش و نگار اور زرین افشان سے مزین کرایا تھا، اس پر سنہ کتابت سنہ ۱۰۶۸ھ مرقوم ہی یعنی

تصنیف کے اونیس سال کے بعد اور جہان آرا کی عمر کے ۴۴ وین سال مین یہ نسخہ لکھوایا گیا، جس سے

بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ کتاب مین جن بزرگون کے حالات ہین، اُن سے جہان آرا کی عقیدت و ارادت

سن کہولت مین بھی بدستور قائم تھی، اس قلمی نسخہ کا سائز ۶×۱۰ ہے، ہر صفحہ مین گیارہ سطرین ہین، اور کل

صفحات کی تعداد ۱۴۴ ہے، مولنا شبلی مرحوم نے اوس کو ایک بڑی رقم مین خریدا تھا، اور اپنی قلمی

کتابون کے ذخیرہ مین اوس کو بہت ہی عزیز رکھتے تھے، (الندوہ، اپریل سنہ ۱۹۱۱ء) یہ کتاب

خطاطی کے اعلیٰ نمونہ کے طور پر لندن کی نمایش منعقدہ مئی سنہ ۱۹۱۱ء مین بھی بھیجی گئی تھی،

جہان آرا کے علمی مشاغل مین زیادہ تر صوفیاے کرام کے حالات کا مطالعہ ہی رہا کرتا تھا،

مونس الارواح مین ایک جگہ لکھتی ہی،

---

[1] الندوہ اپریل سنہ ۱۹۱۱ء

این ضعیفہ راجیہ بعد از ادائے فرض و واجبات و تلاوت قرآن مجید ہیچ امرے شریف تر از ذکر

حالات و مقامات اولیاے کرام قدس اللہ ارواحہم نمی داند، بنا بران خلاصۂ اوقات خود بمطالعۂ

کتب و رسائلے کہ مشتمل بر احوال سعادت مآل بزرگان دین و اکابر صاحب یقین ست صرف

می نماید"[1]

جہان آرا شاعر بھی تھی، مونس الارواح مین جابجا اس کے اشعار درج ہین، نمونہ کے طور

پر چند کے اشعار ملاحظہ ہون،

آنجا کہ کمال کبریاے تو بود	عالم نمی از بحر عطاے تو بود
مارا چہ حد حمد و ثناے تو بود	ہم حمد و ثناے تو سزاے تو بود
(دیگر)	
اے بوصفت بیان ما ہمہ ہیچ	ہمہ آن تو آن ما ہمہ ہیچ

---

[1] جہان آرا بیگم کے ایک سوانح نگار نے اسکی تالیفات مین ایک سیاحت نامہ اور ایک مثنوی بھی بتائی ہی، مگر میری

نظر سے ان دونون کتابون کے نام کسی مستند تذکرہ اور تاریخ مین نہین گذرے، سنہ ۱۹۳۱ء مین لندن سے ایک انگریزی

کتاب ایک انگریز خاتون Andrea Butenschon نے The Life of a

Mogul Princess Jahan Ara Begum کے نام سے شائع کی ہی خاتون

مذکور نے اس کتاب کے دیباچہ مین لکھا ہی کہ وہ آگرہ کے قلعہ کو دیکھنے مین مصروف تھی، کہ ثمن برج کے ایک شکستہ پتھر

کے نیچے کچھ مسودے ملے ہ مسودے کو پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ جہان آرا کی خود نوشتہ تحریرین مین جن کو

اوس نے شاہجہان کے حبس کے بعد قلمبند کیا تھا، وہ بھی شاہجہان کے ساتھ قید تھی، اس لئے قید ہی کے زمانہ مین

اوس نے اپنی پچھلی زندگی کے واقعات لکھنے شروع کئے، اور انکو ثمن برج کے ایک پتھر کے نیچے یہ کہکر چھپا دیا کہ

ثمن برج کا پتھر جب خستہ ہو جائے گا، تو یہ تحریر لوگون کے ہاتھ آئیگی، جس سے اسکے اصلی خیالات، جذبات اور

حالات روشن ہونگے، تحریر مین رومانی اور تخیلی رنگ بہت غالب ہی اور اسلوب بیان بہت ہی دلکش اور مؤثر ہی،

ہرچہ بیند خیال ما ہمہ ہیچ ہرچہ گوید زبانِ ما ہمہ ہیچ

ما بکنہ حقیقتِ نرسیم اے یقین و گمان ما ہمہ ہیچ

جہان آرا بیگم کے اردو سوانح نگار منشی سیل چند مصنف تاریخ آگرہ کے حوالہ سے اس کا ایک مرثیہ بھی نقل کرتے ہیں، جو اوس نے اپنے باپ کی وفات کے موقع پر کہا تھا، اس کے تین اشعار یہ ہیں:

اے آفتاب من کہ شدی غائب از نظر آیا شبِ فراق ترا ہم بود سحر؟

اے بادشاہ عالم و دوی قبلۂ جہان بکشا ے چشم رحمت و بر حالِ من نگر

نالم چنین ز غصہ و بادم بود بدست سوزم چو شمع در غم و دود دم رود زسر

جہان آرا بیگم کے ذوق شعری اور اس سلسلہ میں اس کے جود و سخا کی متعدد روایتین تذکرون

(بقیہ حاشیہ ۳۵۳) چنانچہ اس تحریر کا انگریزی ترجمہ دیدہ زیب لکھائی چھپائی کے ساتھ لندن سے ۱۹۳۱ء میں شائع کر دیا گیا ہے، ہم نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک بہت ہی غور سے پڑھا، اور اس کو سراسر جعلی اور نقلی پایا، یہ محض ایک نئے اور دلنشین انداز میں جہان آرا بیگم کے اخلاق اور کیرکٹر کو مسخ کرکے دکھانے اور اورنگزیب کی ذات سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش میں لکھی گئی ہے، اس کتاب میں بعض لغو اور لاطائل واقعات ایسے ہیں جن کی تردید کرنا محض تضیع اوقات ہے، مثلاً جہان آرا بیگم راجپوتوں کی بہت ہی مداح ہے، وہ ایک راجپوت سردار پر عاشق ہو گئی ہے، وہ شادی اس لئے نہیں کر سکتی ہے کہ اکبر نے یہ قانون بنا رکھا تھا کہ مغل بادشاہوں کی لڑکیاں رشتۂ ازدواج سے محروم رہیں، چنانچہ جہان آرا چھپ چھپ کر اپنے محبوب راجپوت سے ملتی ہے، عشق و محبت کی باتیں کرتی ہے، اور اپنی یاد تازہ رکھنے کے لئے اسکو کئی تحفے دیتی ہے، جب دارا اور اورنگزیب میں خانہ جنگی شروع ہوتی ہے، تو جہان آرا کی محبت اور عشق میں راجپوت سردار دارا کی حمایت میں اورنگزیب کے خلاف لڑتا ہے، جنگ میں راجپوت جہان آرا کے ایک دوسرے عاشق کے ہاتھوں

میں پائی جاتی ہیں، کلمات الشعرا (سرخوش)، ریاض الشعرا اور خزانہ عامرہ میں ہے کہ جہان آرا بیگم ایک دفعہ باغ کی سیر کو ہاتھی پر برقعہ ڈالے نکلی، میر صیدی طہرانی چھپ کر تماشا دیکھنے لگا، جب ہاتھی اس کے پاس سے گذرا تو اوس نے بے ساختہ یہ مطلع پڑھا،

برقع برُخ افگندہ برد ناز بباغش تا نکہتِ گل بیختہ آید بہ دماغش

جہان آرا نے حکم دیا کہ شاعر کو کشان کشان سامنے لائیں، وہ آیا تو اس سے بار بار مطلع پڑھوا کر سُنا اور پانچہزار روپیے دلوائے لیکن ساتھ ہی حکم دیا کہ اس کو شہر سے نکال دیا جائے کیونکہ جہان آرا بیگم کو شعر تو پسند آیا لیکن گستاخی پسند نہ آئی، مولانا شبلی مرحوم اپنے مقالہ زیب النساء میں اس روایت کو نقل کرکے رقمطراز ہیں کہ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ بیگمات کے لئے کس قسم کے آداب مقرر تھے،

کلمات الشعرا (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) میں جہان آرا بیگم کی علمی فیاضی کی ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۴) سے مارا جاتا ہے، مگر اس کا ایک ہار کسی طرح سے جہان آرا کو مل جاتا ہے، جس کو وہ ایک قیمتی یادگار سمجھکر اپنے پاس محفوظ رکھتی ہے، اس کتاب میں اسی قسم کی اور بھی خرافات ہیں، سب سے مضحکہ خیز بات تو یہ ہے کہ جہان آرا بیگم کا لباس ساری دکھایا گیا ہے، اور وہ ہندو دیوتاؤں سے مثلاً شیوجی اور کرشنو وغیرہ سے بڑی عقیدت رکھتی ہے، اسیطرح کی اور بہت سی باتیں ہیں، جو محض اورنگزیب اور ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی گذشتہ تاریخ کو بدنام کرنیکی غرض سے لکھی گئی ہیں، برنیر منوکی اور اسمتھ وغیرہ جیسے متعصب یوروپین مورخین نے جہان آرا بیگم کی ذات کے ساتھ بہت ہی نازیبا حکایتیں منسوب کر دی تھیں، لیکن سنجیدہ مورخوں نے حقائق کی روشنی میں ان کی تردید کر دی ہے، اب ایک اچھوتے انداز میں پھر اس شہزادی کی ذات پر ناروا حملے کئے گئے ہیں، اگر یورپین مورخوں کی ہرزہ سرائی اور دشنام طرازی اس قدر عام ہو گئی ہے، کہ ان کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں،

اور شامل درج ہے، مرزا احسن بیگ قزوینی نے جو شاہجہانی دربار کا ایک معزز منصبدار اور شاعر تھا، شاہجہان آباد پر ایک مثنوی لکھی، اس شہر کے باغ حیات بخش کی تعریف مین جو اشعار کہے وہ جہان آرا کو پسند آئے، اس کے صلہ مین اسنے پانچ سو روپیے انعام اس کے پاس بھجوائے،

ید بیضا (قلمی نسخہ دار المصنفین) مولانا غلام علی آزاد لکھتے ہین کہ مرزا محمد علی ماہر نے جہان آرا کی مدح مین ایک مثنوی لکھکر اسکی خدمت مین پیش کی، مثنوی کے اس شعر پر جہان آرا نے اسکو پانچسو روپیے انعام دیئے،

بذاتِ تو صفات کردگار است ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ کہ خود پنہان و فیضش آشکار است

مگر مولانا غلام علی آزاد اس روایت کو سرو آزاد (ص۱۱۴) مین نقل کر کے لکھتے ہین، کہ شعر ان کی نظر سے نعمت خان عالی کی اُس مثنوی مین بھی گذرا جو اس نے زیب النساء کے خرگاہ پر لکھی تھی، تذکرۂ مخزن الغرائب (قلمی نسخہ دار المصنفین) مین ہے کہ مرزا محمد علی ماہر نے نو سو اشعار کی ایک مثنوی زیب النساء کی شان مین لکھی، جس مین مذکورۂ بالا شعر زیب النساء کو بے حد پسند آیا، واللہ اعلم بالصواب،

جہان آرا کی علم پروری اور اسکے ساتھ مذہبیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ آگرہ کی جامع مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے، اس نے مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، جو بہت دنون تک نہایت کامیابی کیساتھ چلتا رہا،

جہان آرا بیگم نے مرنے کے بعد بھی خواجگان چشتیہ سے اپنی عقیدت قائم رکھی یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار پرانوار کے ٹھیک پائین مین اپنی خواہش کے مطابق دفن ہوئی، اسکی پرہیزگاری، نیکی، انکساری اور ذوق شعری اسکے حسب ذیل شعر سے بھی ظاہر ہے، جو اسکی معمولی اور سادہ قبر پر مکتوب ہے، اس مزار کا کٹہرہ تو سنگ مرمر کا ہے لیکن تعویذ بالکل خام ہے جو ہمیشہ سبزہ سے ڈھکا رہتا ہے،

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ کہ قبر پوشِ غریبان ہمین گیاہ بس است (بیتی)

بیدل اور تذکرہ خوش گو

از

جناب قاضی عبد الودود بیرسٹر پٹنہ

اس مضمون کے دو حصے ہین، پہلے حصہ مین خوشگو نے سفینۂ خوش گو مین بیدل کے متعلق جو کچھ لکھا ہے بجنسہٖ نقل کر دیا گیا ہے، دوسرے حصہ مین اس پر ناقدانہ نگاہ ڈالی گئی ہے، اور خوشگو کے ماخذون کا سُراغ لگانے کی کوشش کی گئی ہے، اس غرض سے مین نے بیدل کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے، اور ہم عصر اور قریب العصر مصنفون نے بیدل کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کے معتدبہ حصہ کو پیش نظر رکھا ہے،

بندرابن[۱]، خوش گو بندرابن کا رہنے والا تھا، (تکملۃ الشعراء مصنفہ شوق نسخہ رام پور) لیکن اس کا ذہنی وطن دہلی تھا، آرزو کا شاگرد تھا، لیکن بہ قول بعض اوس نے بیدل اور سرخوش سے بھی اصلاح لی تھی، (تکملہ) وہ بیدل کا باضابطہ شاگرد ممکن ہے کہ نہ ہو لیکن اس مین شک نہین کہ وہ ان کا بڑا معتقد تھا، خوش گو کا قیام دہلی کے علاوہ، بنارس، الہ آباد، عظیم آباد مین بھی رہا ہے، اسکی وفات بقول آزاد بلگرامی عظیم آباد اور بقول شوق بندرابن مین ہوئی، زمانۂ وفات بارھوین صدی کا ساتوان عشرہ ہے، (آزاد)

---

[۱] خوشگو کے حالات کی تحقیق مین نے نہین کی، جو کچھ لکھا گیا ہے، اُس سے بہت زیادہ لکھا جا سکتا ہے ۔۔۔ سفینۂ خوش گو کے سرورق پر آزاد کی لکھی ہوئی چند سطرین ہین،

خوش گو نے بیدل کے حالات بڑی تفصیل کے ساتھ لکھے ہین، ابتدائی زمانہ کے حالات زیادہ تر خود بیدل کی تصانیف سے لئے ہین، آخری زمانہ کے حالات چشم دید ہین، خوشگو کا بیان ہے کہ اُسے ہزار بار سے زیادہ بیدل کی خدمت مین حاضر ہونے کا موقع ملا تھا، سفینۂ خوش گو سے بیدل کے متعلق بہت سی نئی باتین معلوم ہوتی ہین، اور بہت سی پرانی غلط فہمیان دور ہوتی ہین، اس کا بیان قابلِ اعتبار ہے، لیکن دو ایک جگہ اُس سے بھی غلطی ہوئی ہو، جس کا ذکر دوسرے حصہ مین آئے گا، سفینۂ خوشگو چھٹے عشرے مین تمام ہوا ہے،

سفینۂ خوشگو کا وہ نسخہ جس سے کاتب نے بیدل کے حالات نقل کئے ہین آزاد بلگرامی کی ملک وچکا ہی، آزاد نے اُسے اپنے لئے نقل کرایا تھا، لیکن اغلاط سے بھرا ہوا ہے، قیاسی تصحیح کی کوشش حصۂ دوم مین کی جائے گی، حصۂ اول میں لفظ کتابت سے تعرض نہین کیا گیا،

آن حضرت از قومِ مغل از مغلانِ ارلاس کہ چہار قسم می باشند، یکے از آنہا مرزا ارلاس ست تورانی الاصل اکبر آبادی الوطن است، آنچہ طاہر نصیر آبادی در اصلِ ایشان نوشتہ کہ لاہوری است، اصلے نہ دارد، والد بزرگوارش میرزا عبدالخالق از اوائل ترکِ ماسوا کردہ، تماشائیِ خلوت کدۂ وحدت بود، و آخر عمر از صلب آن ابو الآبائے بزرگی کہ خالق صوری پیکرش بود، آنحضرت در سال ہزار و پنجاہ و چہار ہلالے سعید و ساعتے مختار قدم بہ بارگاہ شہود گذاشت، و صفت کالمذہب نشانِ قادریت بہ تقتضائے سبز نزولی کسوتِ آب و رنگ عبدیت پوشیدہ و موسوم بہ عبدالقادر جیلانی گردید، الالسکہ راج رائے، سبقت ہم درین معنی رباعیے نظرش گذرانیدہ بود، رباعی:

"از قلب (؟) آمد قدرت بہ ہمہ مقام   عبدالقادر مو انشہش نام (؟)
شد زندہ یکے بہ مسیحائی دین   آمد دگر اکنون پئے احیای کلام"

مولانا قاسم درویش کہ از آشنایان پدرش بود بہ قوت ریاضت بریاضی مستقبل روزگار اطلاع گشت، لفظ "انتخاب" تاریخِ ولادت آن جز و زمان یافتہ چندے بمقتضاے طلب آبیاری ریشۂ حیوانی بہ شیر خوارگی گذرانید، وزان حالت خود بیان فرمودہ،

"بر زبان درس روایت ہای موج شیر بود   جنبش مژگان بے نم خامۂ تحریر بود"

چون از رضاع بر آمد، و قدم بہ پنج سالگی گذاشت زبان را کہ از اعضاے رئیسۂ انسانی است بہ ختم کلام مجید شادابی بخشید و در اوسط ہمان سال میرزا عبدالخالق رخت ہستی بربست، گردِ یتیمی بر چہرۂ حالش نشست، در ماتم او و حالتِ خود می فرماید،

"خورشید خرامید و فروغے بہ نظر ماند   دریا بہ کنار رد گرافتاد و گہر ماند"

در سالِ ششم از حد عمر از خدمت والدۂ ماجدہ حروف تہجی آموخت، و در ہمان نزدیکی آن مریم مکانی نیز رہ نورد عالم بالا گردید، این معنی مصداق رب المساکین فضل اللہ است کہ با وجود بیکسی ہاے ظاہری کس بیکسانش بجاے رسانید، میرزا قلندر برادر اخیانی مرید عبدالخالق بار تربیت و پرورش بردوش گرفتہ بہ تحصیل علوم صرف و نحو رہنمونش شد،

بہر حال مرزا جوانے شاہ زور و صاحب و مرتاض و شجاع و بدیگر اوصاف موصوف بود، اوائلِ نوکری سرکار شاہ شجاع پسر دوم شاہجہان بادشاہ است و نوبت ریاضتش اکثر باربعین کشیدے، و در ہفتہ بیک جامِ شیر قناعت نمودے طرفہ این کہ در سایۂ وے عقرب را تاب حرکتے نہ ماندے، و اکثر از روے امتحان بخط زیر سایہ داشتے، ناچار بہ سوراخ عدم خزیدے و دیگر تفعاے شدید آہنی را باشارۂ سایہ اش جز کشایش چارہ نبود، چون ازین ہر دو کیفیت پرسیدند فرمودند تخمین ازلی است و تائیدی کہ بمواظبت اسم فتاح نصیب شدہ بود، و در حالتِ عارضۂ تپ قریب بہ پنج سیر پختہ روغن شیر گرم نوشیدے، و در وقت درد چشم مقدار

فلفل سرمہ ولا در چشم کشیدے و بے ارتکاب این ہر دو عمل امراضش بصحت بگر دیدے، چنانچہ برخے
از حالاتِ او در عنصر اول کتاب چہار عنصر بے دلی نگاشتۂ کلک جواہر سلک او شد۔

بہر حال آنحضرت در سال عاشر کتاب کافیہ با تمام رسانید و شروع شرح ملا نمود، روزے
ہمراہ مرزا قلندر در مدرسہ نشستہ بود و طالب علم را دیدند کہ ہنگامۂ بحث ضَرَبَ یَضرِبُ گرم داشتند
بعد در دسر بسیار یکے الزام یافت و دیگرے گردن رعونت تارک ارتافت، مرزا قلندر منع درس عربی اش
فرمود، و گفت اگر فائدۂ علم ہمین است خاک بر فرقِ جہل نہ باید انداخت، چہ در ہر دو صورت جوہر
انسانیت گداختہ میشود اگر ملزم است لزوم رعونت چہ بلاست، و اگر ملزم انفعال الزام چہ قیامت
ازاں وقت از کسب علومِ عربیہ باز آمدہ، صحبت فقراے صاحبِ کمال، و مطالعۂ اشعار ارباب
حال و قال اختیار فرمود، و نیز علومِ ادعیہ و نقوش و حفظ اسمائے الٰہی از کاملانِ این فن آموخت
دور نیمۂ سال عاشر مکتب از بہارِ مقدمش رشکِ گلستان و بوستان بود، یکے از ہم سبقان نو
خطا قرنفل زیر زبان گذاشتن، و ہنگامِ تکلم انفاس موشش تخم رائحہ در دماغ سامع کاشتے،
چون طبیعت باو مالوف بود بحسب موزونی ازلی رباعی انشا فرمود، بے نقابی فیضِ حقیقی تماشا
کردنی ست، و آن رباعی را چہار رکن بنائے موزونی خود دانست،

یادم ہرگاہ در سخن می آید، بوے عجبش از دہن می آید
این بوی قرنفل است یا نکہت گل یا رائحۂ مشک ختن می آید

برائے نظام سلسلہ صورت باوجود آنکہ شعراے عالی فطرت شاگردانِ معنوی حق تعالیٰ اند
از جناب مولینا کمال نامی صاحبِ کمال استفادہ کسب شعر نمود، و رمزی تخلص مقرر فرمود تا مدتے
مدید بان تخلص متخلص بود، روزے سیر دیباچۂ کتاب گلستان می نمود، چون باین مصرع رسید ع
"بیدل از بے نشان چہ گوید باز"

اہتزاز و قبس رو نمود، و از روح پر فتوح قبلۂ شیراز استمداد جستہ، لفظ "بیدل" را تخلص
مبارک قرار داد و معنی این تخلص کہ بفہم اکثر در نمی آید، آنست کہ چون دل را خاطر گفتہ اند چہ این
ہمہ خطرات و عوارض از آنجا، حادث میشود، پس صفتے باشد، کہ حرکت بوے خطرہ از نتائج او است،
و از آنجا کہ در نفی صفت بہ "بے" مستعمل فارسیانست، چنانچہ بے شعور و بے کمال بخلاف نفی موصوف
کہ لفظ "نا" بالاے آن می آید، مثل ناموزون و ناہموار لہذا در تخلص اختیار نفی دل کہ صفتے بیش نیست
آمدہ بعضے موہوم صفات قلب است ندارد، و از آن بیدل است، و بیدل خطاب مستطاب
عاشقان ہم آمد،

بہر حال چون بہار جوانی در بوستان سراے وجودش دمیدن آغاز کرد، بحکم رفعت استعداد
و تحصیل اسبابِ معاش ملازمت بادشاہ زادہ عالیجاہ محمد اعظم شاہ دریافت و باندک فرصت
معزز و مقبول گردید، در ترکی و فارسی ہمزبان گردید، و بمنصب پانصدی بخدمتِ داروغگی
کو تنگر خانہ امتیاز یافت، بیست سال درین شغل مشغول بود و آن وقت مشق سخن در خدمتِ
شیخ عبدالعزیز عزت می گزرانید بعد ازان چون جذبہ در رسید، تمارض نمودہ از خدمتِ شاہی مستغنی
گردید بہ ہندوستان رسید پادشاہ زادہ از روے کمال قدردانی نشانے بدستخط خاص
نوشتہ فقیر خوشگو بجنسہٖ در قلمدانِ ایشان دیدہ اینجا نقل مسودہ می نویسد:

نشان دستخط خاص پادشاہی

الحمد للہ و المنہ کہ ہنوز قواے بدنی آن رفعت و شجاعت دستگاہ بحال خود است باوجود
برقراری حواس از خدمتِ عالی شاہی تقاعد ورزیدن شرط ایفاے حقوق اخلاص نیست تا حال
ہم ہیچ نرفتہ آنچہ ضروریات را در کار باشد، بہ بیوتات دار الخلافہ امر نفاذ یافتہ سرانجام کردہ خواہد
داد، زود مستعد ملازمت گردد، انتہی ایشان در جواب عریضۂ بالقاب خداوندی مرقوم نمودہ

کہ تمام آن در رقعات داخل است یک رُباعی نوشتہ می آید،

از شاہ خود آنچہ این گدا می خواہد   افزونیٔ منصب رضا می خواہد

تا ہمت فقر ننگ خواہش نہ کشد،   سرخیلی شکر دعا می خواہد

وبیاد آوری حقوق نمک غزلے در آن عریضہ نگاشتہ بودہ کہ این دو بیت از آنست،

اگر خورشید گردونم وگر خاک سر راہم   گدائے حضرتِ شاہم گدائے حضرتِ شاہم

قبولے داشتم در بارگاہ عرشِ تعظیمش   زکسب آن سعادتہا کنون مقبول اللّٰہم

پس آنحضرت بطریق سیاحی رو بمشرق نہاد عزیمت فرمودہ مدتے در حدود ممالک بنگ و بہار و اڑیسہ بآزادگی و بے تقیدی بسر بردہ و دشت و بیابانہا پیمودہ عجائبِ قدرتِ الٰہی تماشا نمودہ اکثر از خصوصیاتِ آن ہنگام در چہار عنصر نگاشتہ قلم راست رقم اوست وہم در آن ایام بسیارے از نعمت درویشی نیز نصیبِ او گردید، از انجا بہ تکلیف پیر کامگار بہ ہندوستان رسیدہ چندے بہ بلدہ اکبرآباد اقامت در زید و باز بدار الخلافہ شاہجہان آباد رسیدہ کنج عزلت گزید، نواب شاکرخان و نواب شکر اللہ خان بیرونِ دہلی دروازہ شہر پناہ در محلہ کھیکریان برکنار گذر گھاٹ لطف علی حویلی مبلغ پنجہزار روپیہ خرید کردہ نذر نمودہ دو روپیہ یومیہ مقرر کردند کہ تا روز مرگ ایشان می رسید، بقیہ عمر در آن مکان بفراغ سی و شش سال اوقاتِ عزیز بسر برد، و جسمِ ظاہر رشد تمام پیدا کرد، و تاہل گزید، چہار حرم در حریم داشت، و این جا اتفاق خوردن ندر نج کشتہ اش افتاد، و در وقت جوانی غایت گرسنگی قریب ہفت و ہشت سیر بود و اکثر بسبب فرمائش فقر بطوع و رغبت فاقہ ہم می کشید، درین وقت کبر سن کہ فقیر خوشگو ہر روز بخدمتش میرسید، خوردن دو و نیم سیر سہ سیر طعام بچشم خود دیدہ، و در عالم شباب اگرچہ بشرب شراب ارتکاب کردہ لیکن در پیریہا مزاجِ مبارکش گوارا نمی آمد، لہذا از جمیع کیفیات و مغیرات بیگانگی

نمودہ بنگا بہ اختیار فرمود آن را باسم موجی یاد می نمود، و در فصل زمستان معجونے مرتب می ساخت، و آن را اوجی نام میگذاشت، شعرے ازین عالم گفتہ،

شادم کہ فطرتم نیست تریاکی تعیین   وہمے کہ می فروشم بنگ است گاہ گاہ است

نفس عاجز نوا نختے بتوصیف زور مندیش سرمایۂ قوت رستم بہم می رساند، ابنائے لفظ و معنی ز اشفتگی بنیاد آن حضرت را از بدو شعور توجہ بر کسبِ زور بیشتر بود، چنانچہ شمار بیام ہر روزہ کہ بوجود نبض آمودی نمودہ چہار ہزار و اکثر بہ پنج ہزار کشیدے و بسکہ در کشتی کردن و مصارعہ جستن حریفان را بہر دو دست برداشتہ بزمین زدے ہیچ کس را تاب پنجہ آرائی وزور آزمائی او نبود لاجرم سوار ہمت شد، بر اسپ بالائے پشتہ کلانے بر آمد، بقوت تمام با اسپ بہم پیچیدے و آن را بر زمین انداختے، و اسپ خود پیچیدہ خوردہ از ان پشتہ بر زمین آمدے، و چون این چنین عمل بچند نوبت کشیدے خاطرش آسایش یافتے، نوبتے در عالم تعلق گوشہ خاطرش بسوئے موزرش پسرے میلے داشت، اتفاقاً حرکتے از وے صادر شد کہ بر طبع نازکش گران آمد طپانچہ بر رویش زد کہ دمار از روزگارِ او بر آمد، و در طرفۃ العین با خاک برابر گردید، و شبے پائے فرقدین فرسایش لغزشے کرد بحکم اتفاق دست بدیوارے خورد خواست کہ بتوسل بدیوار شود ناگاہ دیوار تاب نیاوردہ از ہم بریخت فقیر این دُو رباعی در وصفِ زور ایشان گفتہ،

اے زور تو دندان شکن اہلِ سخن   خوشگوے ضعیف را چہ یارا چہ دہن

گر زور کند بیک دو حرفِ تعریف   حقا کہ شود زبان برستم افکن

زور تو دلِ فلک گداز دچون برف   وین بادہ زبس نگنجد در ظرف

گر خامہ بوصفِ او نویسد ورقے   گردد صد ریزہ استخوان بندیِ حرف

شبے نقل می فرمود کہ در بلدہ پٹنہ تاجرے اسپ عراقی نژاد آوردہ بعوض ہزار روپیہ

بفروختن بر آورد، طبیعت مائل بجزید کردنش گردید، گفتم اگر اسپ تو دریک و دو بامن برابری کند، در ہزار روپیہ بدہم و اگر پس ماند، مفت بگیرم تا جراین شرط قبول نمود، و خود بران اسپ سوار شد، در میدان وسیعے عنان سر داد از ین طرف من دامن بہ کمر زدہ شاطرانہ دویدم تا نگاہے بیفگنم، اسپ و سوار بقدر یک تیر از من پس تر ماندہ بودند چوں گوی شرط از میدان ربودم مروت ندیدم، اسپ باو باز دادم، و عصاے خوردے از این در دست داشتن کہ وزن آن سی و شش سیر شاہجہانی بود، و آن عصار ابو لاس نام میفرمود کہ معنیش بزبانِ ہندی شاخ باریک باشد آن را بروز عرس ایشان پہلوے قبر می گذارند قوی پنجگان بہر دو دست بزور تمام برمیدارند، لکن کسے حمل بر اغراق و مبالغہ کند باید کہ بیاید و بچشم عبرت بین ملاحظہ قدرت قادر قوی نماید ع

بیا بسم اللہ اینک گوے و میدان

بیانِ حلیۂ مرزا بالاے والایش در طول میانہ بود، و عرض پہناوری بسیار گشت، جماے داشتہ بود بہ رنگ کمال، باچشمہاے خجستہ و ابروان کلید درہاے بستہ تختہ پیشانی وسیعے داشتہ کہ گوئی قلم تقدیر جمیع کمالات انسانی بر و مرتسم کردہ مقدار شش کوہ بود، کہ ہرگز بر و نمی افتاد، ہنگام تکلم سخن بسیار آہستہ و راجدا میفرمود گویا گہر باری میکند، یا گلفشانی مینماید، و آہستگی کلامش بہ حدے کہ صف نشینان موخر کم می شنیدند، یک غلامے داشتند مضمون نام چنان کہ فقیر گفتہ،

بیدل کہ تختگاہ فصاحت مقام اوست
معنی کنیز او شد و مضمون غلام اوست

اکثر غلام را براے تازہ کردن چلم قلیان یا امرے دیگر طلبیدے، یا وجود قرب بانگ بلند

برداشتے دو ستک دادے و اکثر کلام بتقیدانہ بر زبان آوردے اما شعر را بصلابتے و نہایتے خواندے کہ گوش مستمعان بار شدے و از بیرون دروازہ در کوچہ معلوم شدے کہ آنحضرت شعر میخوانند و مقرر آن کردہ بود کہ تمام روز اندرون محل بہ تنہائی و تجرد نشستہ باسخن صحبت میداشت و سر شام بدیوانخانہ تشریف آوردہ تا نیم شب نشستے و اقسام حکایات و امثال کار آمدنی درمیان آوردے فقیر ملفوظاتے نوشتہ کہ اکثر مذکورات آن صحبت ہا درو داخل است و اکثر اوقات در گپ زدنہا یاد گذشتن فرمودے کہ یاران الحال باید، ذکر خداے کہ کنایہ از شعر خوانی باشد، درمیان آمدۂ کلیات دیوان خود کہ در یک جلد چہار مصراعے نویسانیدہ مرتب فرمودہ بود، طلبیدے و مجلس گرم داشتن و نوبت بنوبت حاضران را خطاب کردے، از اشعار خود عنایت فرمایند مرزاے از سر زیبایش مبارید، بیباکے تمام داشت، وضع تراش ریش و بروت تراشیدہ بود، چنانچہ وقتے در اکبرآباد عبدالرحیم نامی کہ طبع موزون داشت این بیت نوشتہ در پالکی انداخت،

چہ خطا در خط استاد ازل دیدآیا کہ باصلاحِ غررریش نیاز افتادا ست

ایشان ہمان وقت جواب نوشتہ دادند،

مختصر کن بتغافل ہوسِ جنگ و جدل مد بر رشتۂ تحقیق دراز افتاد است

روزے یکے از منشیان آنجناب از صحبتِ میر جملہ ترخان بخدمتش حاضر شد و گفت ہمین وقت نواب میر جملہ می فرمود کہ من امروز میرزا بیدل را کہ قطب الملک سید عبداللہ خان بارہا بدعوت طلبیدہ بود، دیدم انسان کامل بنظر آمد اما عیبے داشت و اشارہ بطرفِ ریش و بروت کرد کہ مبرا است آنحضرت بعد استماع در جواب فرمود آرے درمیان ما و ایشان تفاوت مقدار پشمے است، کہ ایشان دارند و ما نداریم، و این بیت از اشعارِ خود یاد کردہ

برودت تافتنت گربہ شانے ہوس است

بریش مردہ شدن بزگی نے ہوس است

یکے از خواجہ سرایان بخدمتش التماس کرد، می خواہم کہ دستارے رنگ کنم، بہر رنگ کہ صاحب تجویز فرمایند، فرمود بیرنگ صبغۃ اللّٰہی برائے نوع شما ہمین دو رنگ ایجاد کردہ صندلی و بادامی، طبع غیور آنقدر داشتہ کہ شبے جعفر زٹلی کہ یکے از ہجویان و فحش گویانِ عصر بود، مثنوی در تعریف او گفتہ آورد، ہمین کہ مصرع اول خواند،

ع چہ عرفی چہ قیصر بہ پیش تو پھش

فرمود شما مہربانی کردید کہ تشریف آوردید، ما فقیر بیدلیم ما را شنیدن امثال این حکایت کہ در حق استادان می شد نمی رسید دو اشرفی از کیسہ بر آوردہ بمداح بخشید، و خاموش ساخت حاضران مجلس خصوص فقیر خوشگو ہر چند عرض نمودیم کہ ایحضرت اگر حکم شود مصرعِ ثانیش بخواند تا معلوم گردد کہ قافیہ لفظِ پھش چہ آورد، قبول نہ اُفتاد،

واستقلال ذاتی بحدے داشت کہ در عمر شصت و پنج سالگی فرزندے قدم بہ بیت الشرف او گذاشت، ازین عنایت غیر مترقبہ شادیہا کرد و صدقہا داد، چون چہار سالہ بعدم شتافت بہ شگفتگی پیشانی موافق دین و آئین تجہیز و تکفین نمودہ، مدفون ساخت، و تا دروازہ با نعش مشایعت کرد، مردم کہ بجز اپرسش می آمدند گریہا و زاری می کردند، و وے غم ہمگنان می خوردہ می گفت، یاران جائے تعجب است کہ فرزند من بمیرد و گریہ شما را می آید مخمسے در ماتم پسر گفتہ کہ خواندن آن بے اختیار رقت می آرد، این دو بند ازان است.

ہیہات چہ برق پر فشان رفت	کآشوب قیامتم بجان رفت
گرتابے بود و رتوان رفت	طفلم زین کہنہ خاکدان رفت

بازی بازی بر آسمان رفت

ہر کہ دو قدم خرام می کاشت	از انگشتم عصا بکف داشت
یارب چہ علم بوحشت افراشت	دست از دستم چہ گونہ برداشت

بے من راہ عدم چسان رفت

در متاخرین ہیچ شاعرے باین عزت و آبرو بسر نبردہ کہ او داشت، قطب الملک سید عبداللہ خان کہ وزیر اعظم و پادشاہ نشان بود، دو سہ مرتبہ کہ طلبیدہ است ہمین کہ نظرش بر میرزا افتاد، از کرسی می خاست، و بپیش دویدہ معانقہ می کرد، و تکیہ و مسند می گذاشت، و نواب نظام الملک آصف جاہ کہ وکیل مطلق ہندوستان بود، از دوستان ایشانِ است دیوانے بمشورت ایشان ترتیب دادہ و دیگر اکثر خورد و بزرگ شہر سرشام بخدمتش میرفتند و انواع فیضہا بر می داشتند، محمد فرخ سیر پادشاہ شہید اول امتزاج کرد، بعد ازان چون معلوم نمود کہ او بملاقات نہ خواہد آمد، دو ہزار روپیہ و زنجیر فیل رعایت کرد، زر نقد خود بخدمتش رسید، چون وکیلے از طرف ایشان برائے آوردن فیل رفت متصدیان شکم بندہ بحلق فرو بردند و شاہ عالم بہادر شاہ بہ منعم خان خانخانان اکثر فرمود کہ بمیرزا بیدل تکلیف نظم شاہ نامہ نمودہ شود خانخانان کہ آشنائے قدیم بود تنج و شش بار در کتابت نوشت میرزا قبول نہ نمود، عاقبت جوابے بدر شتی نگاشت کہ اگر خواہ مخواہ مزاج پادشاہ برین پلہ است من فقیرم جنگ نہ میتوانم کرد، ترک ممالک محروسہ نمودہ بولایت میروم، و وقتے عالمگیر پادشاہ این بیت ایشان در فرمانِ پادشاہ زادۂ معظم در مقدمۂ تسخیر حیدر آباد نوشتہ،

من نمی گویم زیان کن یا بفکر سود باش

اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

واین بیت باعظم شاہ مکرر نگاشتہ :

بترس از آہِ مظلومان کہ ہنگامِ دعا کردن   اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

ونیز بر عرضی شخصے کہ زیادطلبی میکرد این مقطعِ مشہور ایشان دستخط پادشاہ شد،

حرص قانع نیست بیدلؔ ورنہ اسبابِ جہان

انچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

آنحضرت در فہم معنی توحید و معارف پایہ بلند داشتہ علم تصوف خوب ورزیدہ بود و
مسائلِ آن از تحمل این فن بہ تحقیق کمال رسانیدہ، درین مقدمہ جنید و بایزید وقت خود بود،
بسا مقدماتے کہ مولوی رومؔ در مثنوی و شیخ ابن عربی در فصوص الحکم بیان کردہ آنہمہ را بشرح
و بسط تمام با تشبیہات تازہ در کیے بے اندازہ در کلام خود بستہ، چون نمک جمیع اقسام سخن شور
انگیز توحید است، در سخن طرز بلندی اختیار فرمودہ کہ اگر بالفرض شعر بہ تمام کسے می گفت سر رشتہ
توحید از کف نمی دادند، و در ہمہ اشعارش این رعایت منظور است، و او درین فن از استادانیست
کہ صاحبِ طرزِ خاص شدہ اند، و از زمانیکہ بسخن آشنا شد، این طرزِ مخصوص بدست کسے نیفتادہ،
کارہاے کہ او کردہ مقدور کسے نیست اکثر بے انصاف ہاے زمانہ از روے حسد حرفے چند
ناسزا در حقِ جناب کرامت مآب وے میسازند کہ میرزا بیدلؔ غلط گوئی مقرری است و حال
آنکہ خود غلطہایش نرسیدہ اند تا بکارہاے کہ از دو ظہور پیوستہ چہ رسند و این محض جہل و بغض کہ
محرز انفوق است ہرچہ حضرت گلشن می فرمود کہ میرزا بیدلؔ پایہ دارد کہ این غلطہایش را بعد
صد و صد سال اہلِ لغت و فرہنگہا بطریق سند خواہند آورد، و ما فرض کردیم کہ ترکیب سازی
و لفظ تراشی کہ نامش غلط گذاشتہ اند در تمام اشعارش پانصد یا ہزار بیت خواہد بود جواب بقیہ
شعرہایش کہ ہم بزعم مدعیان صحیح و درست باشد کہ می تواند داد، آخر تمام صد ہزار بیت خود غلط

نیست، آدمی را باید کہ در ہر وقت منصف احوال خود باشد، تا بآن درجہ برسد، پا از اندازہ گلیم
خود دراز نکشد، والا مطعون ارباب خرد گردد،

ز خاکے کہ بر آسمان افگنی   سر و چشم خود را زیان میکنی

مشہور است کہ روزے ناظم خان فارغ مصنف تاریخ فرخ شاہی آنحضرت را
بدعوت طلبیدہ، بعد فراغِ طعام ناظم خان بطریق الزام پیش آمد، وگفت، میرزا صاحب
درین شعر سرکار روزمرہ بسیار تازہ است،

تو نگرے کہ دم از فقر میزند غلط است   بوے کاسۂ چینی نمد نمی باشد

میرزا در جواب فرمودہ من آن احمق نیستم، کہ طعن صاحب را دریافت نکنم، بکرد خان
گفت کہ باللہ این روزمرہ اختراع صاحب است، فرمود کہ شما در شعراے قدیم کدام کس
را مسلم معتبر از عسجدی و فرخی و معزی، و مسعود سعد سلمان و خواجہ سلمان و دیگر استادان
در صحت روزمرہ نمد بافی گذرانیدہ، ناظم خان حیران ماند، و ببانگ بلند گفت، واللہ ہر کہ
در استادی این عزیز شک آرد بے شک کافر باشد، تا زیست معتقد او بود از آنجا کہ این
کم تبعان استقرا نداشتہ اند حمل بر غلط می کنند، و فقیر خوشگو در عمر خود زیاد از ہزار مرتبہ بخدمتش مستفید شدہ
باشم گا ہے ندیدم کہ کسے ازین جماعت کہ غلط گویش میگویند، بحضور او رفتہ حرف سبز کردہ باشد،
روزے یکے از شعراے عصر کہ نامش نمی توان برد با مثنوی بخدمتش رسید، چون باین
بیت رسید ؎

بیا ساقی کہ چشم بے قرارت   چو گل خون شد ز زخم انتظارت

آنحضرت فرمود کہ اضافت "چشم بیقرارت" از عالم صفت و موصوف معلوم نیست چشم کہ بیقرار
است حال آنکہ ارادہ شاعر اضافت لامی است یعنی چشم عاشق تو کہ خود را باسم بیقرار برآوردہ شاعر را باید

کہ ازین چنین گفتگو احتراز نماید کہ ارادہ چیزے دارد و چیزے دیگر برآید، آن عزیز گفت کہ زلالی بستہ است، آنحضرت فرمود کہ شما زلالی را موقوف دارید، از خود حرف زنید، این ازان عالم است کہ کسے درین بیت بستہ ؎

ہر کہ سویت بچشم بد بیند　　چشمش از کلۂ تو بیرون باد

آن قنوزی گو کاد کاد کرد، آنجناب فرمود، ہمی تفسم شعرے در مدح مرزا الغ بیگ گفتہ،

جدا مرزا الغ بیگ ولے　　دشمنانت کلہم کہ مینحوری

درحین حیاتش مدعیان این نوع خفت ہا می کشیدند، اکنون کہ از قضاے ایزدی آن آفتاب اوج معنی سر بگریبان مغرب فنا بردہ است، خفاش طینتان از سوراخہا برآمدہ بال و پر می افشانند،

بے خبر کز دستگاہ یک دو لفظ مستعار　　پیش نتوان برد با معنی سیاہان ہمسری

بہر حال فقیر از معتقدات آنچہ دیدہ ام سطرے چند بے ادبانہ نگاشتہ ام اگر کسے را بمذاق خوش نیاید مختار است، باید کہ این اوراق را از مطالعہ موقوف نماید، قسم بجان سخن کہ جان من است و بہ خاکپاے ارباب سخن کہ ایمان من است کہ فقیر درین مدت عمر کہ پنجاہ و شش مرحلہ طے کردہ با ہزاران مردم ثقہ برخوردہ می باشم، لیکن بجامعیت کمالات و حُسن اخلاق و بزرگی و ہمواری و شگفتگی و رسائی و تیز فہمی و زود رسی و انداز سخن گفتن و آداب معاشرت و حسن سلوک و دیگر فضائل انسانی ہمچو اوے ندیدہ ام، و از کسے کہ او را بسیار دو کم دیدہ است انصاف میخواہم اما بشرطیکہ منصف باشد نہ متعصب،

بالجملہ آنجناب از الٰہیات و ریاضیات و طبیعیات کم و بیش چاشنی بلند کردہ بود، و بطبابت و نجوم و رمل و جفر و تاریخ دانی و موسیقی بسیار آشنا بود و تمام قصۂ مہابھارت کہ در ہندیان از ان معتبر تر

کتابے نیست بیاد داشت، و در فن انشا منشی بے نظیر، چنانچہ چہار عنصر و رقعات او برین دعوی دلیل ساطع است و در نثر چیز یکہ عیان است چہ محتاج بیان است و می فرمود حضرت حق جل و علی ندرت پرگوئی و قوت سخن طرازی آنقدر کرامت فرمودہ کہ اگر قلم بر داشتہ متوجہ نکتہ تازہ می شوم نہایت روزی پانصدی است برسد لیکن محتاج بہ نظر ثانی خواہد بود،

رباعی گفت در جواب آدم الشعرا حکیم رودکی تا حال ممتنع الجواب بود، ایشان بعد صد سال از عہدہ جواب آن برآمدند، و الحق گفتگوے واقع شدہ، خان صاحب آرزو مندان ازان بسیار محظوظ اند، فقیر خوشگو نیز لنگ لنگا پسر منزل جواب آن رسیدہ ہر سہ نگارش می یابد؛

رودکی:-

آمد بر من کہ یار کی وقت سحر　　ترسید ز کہ ز خصم خصمش کہ پدر
دادمش چہ بوسہ بر کجا بر لب تُر　　لب بُد نہ چہ عقیق چون بُد چو شکر

بیدل:-

دی خفت کہ ناقہ در کجی خفت　　کردم چہ فغان ارچہ زیاد منزل
داد از کہ ز خود چرا از سعی باطل　　کا فتاد چہ بار از کہ سر بر لہ بدل

فقیر خوشگو:-

رفتم بکجا بباغ کے فصل بہار　　دل تنگ چنان چو غنچہ چون بے دلدار
دیدم چہ شکستہ گلے از چہ ز بوی　　گل بد نہ چہ بد نامۂ از کہ از یار

پوشیدہ نماند کہ در رباعی حکیم رودکی و میرزاے مغفور با وجود صنعت توافق قوافی بکار رفتہ کہ ہر چہار مصرع مقفی است، فقیر ازان معاف ماندہ صنعت مخصوصہ را در مصراع سیوم ایزادے کردہ، چنان بر ذہن سلیم واضح می گردد، و آن حضرت ترجیع بندے از ہزار است

زیادہ در جواب ترجیع بند فخر الدین عراقی کہ بسیار مشہور است و بند آن این است،

کہ بچشمان دل مبین جز دوست   ہر چہ بینی بدان کہ مظہر اوست

چون عراقی گفتگوے سالکانہ کردہ کہ ہمہ اشیا را مظاہر قرار دادہ و عقیدۂ عارف این است کہ اشیا را عین ذات دانند ایشان عارفانہ گفتند، ؎

کہ جہان نیست جز تجلی دوست   این من و ما اضافت اوست

روزے چوب دستے مضبوط کہ در ہندی لٹھ گویند، بدست کردہ از خانہ برآمدند، شیخ کبیر کہ از آشنایان و ہم صحبتان دیرین ایشان بود تا مدت سی سال متواتر بلاناغہ از دیدار ایشان کامیابی داشت، ذکر عصا بر زبان آورد، آنحضرت پنج فقرہ مقفی در تعریف عصا فرمودند "سنت الانبیا، زینت الصلحا، مونس الاعمیٰ، ممد الضعفا، دافع الاعداء"، بعد از آن فرمودند کہ براے دفع شر اعدا چوب مضبوط باید،

قصہ مختصر در سال ہزار و صد و سی سوم در ایامے کہ ابو الفتح ناصر الدین محمد شاہ پادشاہ غازی بر سادات بارہہ مظفر و منصور شدہ و استقلال سلطنت یافتہ بدار الخلافہ شاہجہان آباد تشریف آوردند، حضرت میرزا بیدل را در ماہ محرم عارضہ تپ روداد، چہار و پنج روز بحرارت گذشت بعد از آن تپ مفارقت کرد ایشان غسل فرمودند، روز دوم از غسل بتاریخ سوم صفر روز چہار شنبہ وقت شام حرارت عود کرد، و تمام شب ماند، نواب غیرت خان بہادر صلابت جنگ، کہ از یاران آنحضرت و آن شب بخدمت ایشان حاضر بود نقل صحیح است کہ شب گاہے بافاقت و گاہ بغش گذشت و در وقت افاقت بے اختیار خندہ از ایشان سر می زد مصداق این بیت : ؎

جانان بقمار خانۂ رندے چند   بر نسیہ و نقد ہر دو عالم خندند

بہر حال آثار یاس بنظر آمدن گرفت و تا صبح حال دیگرگون شد، یوم پنجشنبہ چہارم ماہ صفر شش گھڑی روز برآمدہ ہماے روح پرفتوح آن زندہ بینش سرمدی از آشیانۂ تن بال و پر افشاندہ بر ساکنان عرش معلی سایہ انداخت و بوصال حقیقی کامیاب گردید، رحمۃ اللہ علیہ، در ہمان حویلی اقامت گاہ کہ چبوترہ براے قبر خود از مدت دہ سال راست کردہ بود مدفون گردید، غزلے و رباعیئے نوشتہ زیر بالین گذاشتہ بود، بعد بر داشتن مردۂ ایشان کاغذ مذکور برآمد، و اشتہار یافت، فقیر خوشگوے بجنسہ آن کاغذ، روز سوم مرگ ایشان پیش مرزا مرزا محمد سعید ولد مرزا عباد اللہ کہ خال آنحضرت و صاحب این شعر است،

برنگے دوخت بلبل چشم بر گل   کہ شد پیراہن گل چشم بلبل

و مرزا محمد سعید خلف ارشد اوست و الحال سجادہ نشین و مجلس آراے عرس آنجناب است دیدہ بود، نقل آن برداشتہ می شود،

بشبنمے صبح این گلستان فشاند جوش غبار خود را   عرق چو سیلاب از جبین رفت تا نگردیم کار خود را

زپاس ناموس ناتوانی چو سایہ ام ناگزیر طاقت   کہ ہر چہ زین کاروان گران شد بدوشم افگند بار خود را

بعمر موہوم فکر فرصت فزود صد پیش و کم ز غفلت   تو گر عیار امل نہ گیری نفس چہ داند شمار خود را

قدم بصد دشت و در کشادی ز نالہ در گوشہ ہاے فنا   عنان بہ ضبط نفس نہ دادی طبیعت نی سوار خود را

بلندی سر بجیب پستی ست اعتبار جہان ہستی   چراغ این بزم تا سحرگاہ زندہ دارد مزار خود را

ز شرم ہستی قدح نگون کن و داغ مستی بہم خون کن   تو اے حباب از طرب چہ داری پر از عدم کن کنار خود را

بخویش گر چشم می کشودی چو موج دریا گرہ نہ بودی   چہ سحر کردار زدی کہ گوہر کہ غنچہ کردی بہار خود را

اگر دلت زنگ کین زداید خلاف خلقت نہ پیش آید   صفائی آئینہ شرم دارد کہ خوردہ گیرد دوچار خود را

تو شخص آزاد پرفشانی قیامت است این کہ غنچہ مانی   فزود خود داریت برنگے کہ تنگ کردی شرار خود را

وداعِ آرایش نگین کن ز شرم دامانِ حرص چین کن — مزن بہ سنگ از جنون شہرت چو نام عنقا وقار خود را

بہ در زدن لزد عاجو بیدل ز الفت وہم پوچ تجمیل — بر آستانِ امید باطل خجل مکن انتظار خود را

رباعی بیدل،

بیدل کلف سیاہ پوشے نشوی — تشویش گلوے نوحہ کوشے نشوی

بر خاک بمیر و بیجان رو بر باد — مرگت سبک است بار دوشے نشوی

خانصاحب آرزمندان تاریخ وفاتش بطریق تعمیہ یافتہ در قطعہ بستہ اند،

رفت بیدل ز غم آباد فنا

فقیر خوش گوی این فقرہ تاریخ وقوع یافتہ یوم پنجشنبہ چہارم ماہ صفر و این رباعی نیز نظم کردہ ؎

افسوس کہ بیدل از جہان روی نہفت — وآن جوہر پاک در تہ خاک بخفت

خوشگو چو ز عقل کرد تاریخ سوال — از عالم رفت میرزا بیدل گفت

ہر سال بروز عرس ایشان مجمع شعرا میشود و جمیع نازک خیالان شہر جمع شدہ اول غزلے از کلیات ایشان خواندہ ہر یک جوہر خود را عرض می دہد، مجلس خوبے منعقد می گردد، چشم بد تفرقہ ازان مجمع رنگین دور باد، کلیاتے ازان حضرت یادگار است کہ شمار تمامی ابیات آن نود ونہ ہزار بیت است و آنرا در حین حیات خود چہار مصراع نویسانیدہ اوراق وزن کردہ چہاردہ سیر متعارف بوزن در آمد، در پلۂ دوم میزان برابر آن اکثر فلزات وجواہر آلات داشتہ خیرات نمودہ و دران وقت فرمودہ کہ اہلِ ہند اولاد خود ہا را وزن کردہ تصدق می دہند، ازانجا نتیجہ بیدلان ہمی نتائج طبع می باشد من ہم خیریت آنہا از خدا خواستم، امید کہ قبول شود، ازان جملہ یازدہ ہزار بیت نسخۂ عرفانست در بحر حدیقۂ حکیم سنائی کہ بر آن مثنوی ناز

میکرد، چنانچہ اکثر از زبان مبارکش شنیدہ ام کہ آنچہ ما داریم نسخۂ عرفانست وآن را در مدت سی سال باتمام رسانید، سراسر گفتگوے تصوف و معارف دارد، این مصرع آخر آن در تاریخ اتمام گفتہ ع

ہبۂ ذو الجلال والاکرام

وآخر آن سرخی کہ سر سخن است ہم بیت موزون قرار دادہ این مطلع است سر بیت سخن،

عقل و حس سمع و بصر جان جسد — ہمہ عشقست ہو اللہ احد

عشق از مشت خاک آدم ریخت — آن قدر خون کہ رنگ عالم ریخت

ودیگر چہار ہزار بیت مثنوی طلسم حیرت در بیان امتزاج روح بامزاج و شہر خصوصیات عالم صغیر جسد عبارت از آنست در بحر یوسف زلیخا کہ مطلعش این ست،

بنامِ آنکہ دل کاشانۂ اوست — نفس گرد متاعِ خانۂ اوست

در ہمین بحر سہ ہزار بیت مثنوی طور معرفت در احوالِ سیر کوہستان و خصوصیات ولایت ہرات کہ ہمراہ شکر اللہ خان فوجدار آنجا تشریف بردہ بودند، واین لطیفہ از آنجا زبانہا است،

شبے بر تیغ کوہے بود جایم — زبیتابی بسنگے خورد پایم

توانائی بطاقت گشت معذور — کہ از راہش بجرأت افگنم دور

ندا آمد کہ اے محروم اسرار — خرابات نزاکت ہاست کہسار

مبادا اینجا زنی بر سنگ دستے — کہ مینا در بغل خفتہ است مستے

و دو ہزار بیت ساقی نامہ مسمی بمحیط اعظم سر جوش خمستان فکر ہاے اوست، ملا ظہوری ساقی نامہ شاعرانہ گفتہ، و ایشان ہمہ موحدانہ، و یک ہزار بیت دیگر مثنوی تنبیہ المہوسین در مذمت کیمیا کہ ہرگز معتقد آن نبودند، و ہزار بیت ترجیع بند جواب فخر الدین عراقی و ہفت ہزار بیت در قصائد و ترکیب بند و مقطعات و تواریخ و مخمسات و مربع و مستزاد و اشعار ضائع و سہ ہزار بیت ہزلیات و ہشت ہزار

بیت چہار ہزار رباعی کہ بقول شاہ گلشن "رباعی گوئی حق اوست" و مقدار دہ ہزار بیت نثر چہار عنصر و بقیہ پنجاہ و چند ہزار بیت غزلیات و اقسام بحور و زمینہاے شگفتہ و طرح کہ از عہدۂ برائی ہر یک کار ہمت بلند اوست بلکہ گمانِ غالب آنکہ ہیچ بحرے از بحور در رسائلِ عروض از گفتن نہ ماندہ باشد، چون از فکر ہمہ آنہا طبیعت را سیری یافت بر ہمانقدر اکتفا نکردہ، بحر یتیم سواے آن نوزدہ بحر عروض ایجاد کردہ و در آن غزلہا سرانجام داد، چنانچہ چہار بیت از دو غزل بیاد بود،

مے و نغمۂ مسلم حوصلۂ کہ قدح کش گردش سر نشود　　　　بہل است سبک سری انقدرت کہ دماغ جنون زدہ تر نشود

چہ بود سر و کار غلط سبقان در علم و عمل بفسانہ زدن　　　　زغرورِ دلائلِ بے خردی ہمہ تیر خطا بہ نشانہ زدن

فرۂ ز توقع کار جہان بہم آرد و غبار ہوس بفشان　　　　بکشودن چشم طمع نتوان صف حلقہ بہر در خانہ زدن

عقبات جہنم و رنجِ ابد نرسد بعذاب نفاقِ حسد　　　　تو امان طلب از در خلد و در آب تغافل از اہلِ زمانہ زدن

بیاضے بدستخط خود از اشعار غزلیات انتخاب فرمودہ نوشتہ آنرا بہ فقیر عنایت کردہ اند،

گل رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ، اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات، اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس مین آب حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر اکبر و حالی تک کے حالات،

قیمت :- للعہ ضخامت ۵۰۰ صفحے، طبع سوم

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

عورت او مرد کا نفسیاتی مطالعہ

اسٹیٹسمین سنڈے اڈیشن مین ایک یورپین خاتون کا ایک مقالہ شائع ہوا ہے، اس مین عورتون اور مردون کا نفسیاتی مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ذیل مین اس مقالہ کی تلخیص درج کیجاتی ہے، چند توہمات ایسے ہین جو عورتین اپنے مردون کے متعلق رکھتی ہین، جن کا اگر تجزیہ کیا جائے تو بالکل غلط ثابت ہون، ان توہمات کی ذمہ دار خود عورتین ہین، کیونکہ وہ ان کو بار بار دہراتی رہتی ہین، اور جب ایک ہی بات بار بار کانون مین پڑتی ہے تو باوجود غلط ہونے کے اس پر خواہ مخواہ یقین آجاتا ہی، مردون کے متعلق عورتون کے عجیب و غریب خیالات ہین، جن مین بشیتر اپنی شہرت کی وجہ سے صحیح تسلیم کرلئے گئے ہین، مثلاً یہ خیال کہ مرد طبعاً سیدھے سادھے اور ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہین، عورتین ان کی ساری باتین ایک ہی نظر مین معلوم کر سکتی ہین، برخلاف اس کے عورتین بہت گہری، پیچیدہ اور ناقابلِ فہم ہوتی ہین، تقریباً تمام عورتون کا یہی خیال ہے، لیکن سمجھ مین نہین آتا کہ یہ خیال پیدا کیونکر ہوا، اس کی تائید مین ایک شہادت بھی نہین ملتی، یہان تک کہ قلو بطرہ (Cleopatra) اور ٹرائے کی ہیلن جیسی مشاہیر خواتین بھی پیچیدہ طبیعت نہین رکھتی تھین، بلکہ عام عورتون کی طرح تھین، اگر ان کے افعال اور کردار پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا، کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے انھون نے وہی ذرائع اختیار کئے جنھین ایک سیدھا سادھا مرد اختیار

کرسکتا تھا، عورتین اور مرد نہ صرف اپنی روزانہ زندگی مین مکاری، ہوشیاری اور چالاکی کے یکسان نمونے پیش کرتے ہین بلکہ عشق و محبت مین بھی دونون کی خصوصیات یکسان ہوتی ہین، حالانکہ عموماً یہ خیال ہے کہ محبت کی کیفیات مین دماغ صحیح کام انجام نہین دیتا، جس وقت ایک عورت خیال کرتی ہے کہ وہ مرد کے دماغ کے مد وجزر کو سمجھ رہی ہے، اسی وقت غلط راستے پر پڑجاتی ہے، اگر عورتون سے پوچھا جائے کہ ان کے شوہر کیا حقیقت مین بھی ویسے ہی ثابت ہوئے، جیسا وہ انھین شادی سے پہلے خیال کر رہی تھین تو اس سوال کے جواب مین اگر وہ سچائی سے کام لین، تو دس مین سے نو عورتون کو یہ ماننا پڑے گا، کہ شادی کے بعد انھین بہت سی نئی باتون کا تجربہ ہوا، طویل ازدواجی زندگی کے بعد بھی فریقین کو یہ معلوم ہوتا رہتا ہے کہ بہت سے افعال ان کے خیال و گمان کے برخلاف ظہور پذیر ہو رہے ہین،

جب کوئی عورت پریشانی اور تذبذب مین مبتلا ہوتی ہے، تو درحقیقت اسکی کوئی اہم وجہ نہین ہوتی، بلکہ کسی خاص وہم کی بنا پر وہ پریشان خاطر رہتی ہے، مرد بیچارے دن رات اپنے کام مین مشغول رہتے ہین، عورتون کے مقابلہ مین وہ زیادہ دماغ سوزی اور جانفشانی سے روزی کماتے ہین، عورتین جب کسی سنجیدہ کام مین مشغول نہیں رہتین، تو انکا ذہن ہر بات کی جستجو اور اسکے تجزیہ مین منہمک رہتا ہے، اس طرح وہ خیالات کا ایک گھروندا بناتی رہتی ہین، کوئی عورت اگر ایسی مل بھی جائے جو گھریلو کام مین لگی رہتی ہو تو یہی یقین رکھئے کہ اگرچہ اس کا ہاتھ کام کرتا رہتا ہے، لیکن دماغ بالکل کام نہین کرتا، اور اس کے ہاتھ پاؤن تو تھکتے اور آرام پاتے رہتے ہین، لیکن اسکی دماغی قوت اپنی جگہ پر ہمیشہ قائم رہتی ہے، اسلئے کسی نے کوئی غیر معمولی بات کی، اور اسکی کرید شروع کردی، مردون کے پاس اس قسم کی فضول باتون کے لئے وقت نہین ہوتا،

دوسری اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات جو کہ پہلی سے زیادہ مشہور ہے، یہ ہے کہ عورتون کی ذات بہت نازک ہوتی ہے، ان کی دیکھ بھال اور حفاظت مردون کا فرض ہے، اسی لئے ان کو صنف نازک بھی کہا جاتا ہے، عورتون کا عام خیال ہے کہ مرد بڑے بچے کے مانند ہین، اگر مرد واقعی ایسے بچے کے مانند سادہ لوح ہوتے ہین، تو پھر عورتین ان سے حفاظت کی کیون امید رکھتی ہین، ؟ دراصل یہ خیال بھی حقیقت پر مبنی نہین ہے، دونون صنفون مین سے جس کو بھی جسمانی اور روحانی اطمینان حاصل ہوگا، اس کا نازک ہونا لازمی ہے، پہلے زمانہ مین جب کہ عورتون کا رتبہ مردون سے کم تھا، تو وہ ہر قسم کے مکر و فریب کو اپنے مقصد کے حصول کا ذریعہ بناتی تھین، اور ان تدبیرون سے مردون کے جذبات و احساسات کو ابھار کر انھین یہ سمجھنے پر مجبور کر دیتی تھین کہ وہ ایک راز ہین، جس کی پیچیدگی کو کوئی نہین سمجھ سکتا، اس راز سے واقفیت کا واحد ذریعہ شادی ہے، لیکن شادی کے بعد وہ اور بھی پیچیدہ تر نظر آتی ہین، عورتون کے مندرجۂ بالا خیال کی کوئی اصلیت نہین، اگر عمیق نفسیاتی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا، کہ عورتون اور مردون مین ذرا بھی فرق نہین، دونون پر خوف وحسد اور طاقت و اقتدار کا یکسان اثر ہوتا ہے، جس ماحول مین رہکر عورتین، نزاکت، فریب اور حیلہ سازی کی خوگر بنجاتی ہین، مردون کو بھی اگر اسی ماحول مین چھوڑ دیا جائے، تو ان مین بھی وہی ساری خصوصیات پیدا ہوجائین گی، عورتین مردون کے دوش بدوش نازک سے نازک اور سخت سے سخت کام بالکل اسی طرح کرسکتی ہین، جس طرح مرد کرتے ہین، صرف سوال ماحول کا ہے، جس طرح یہ خیال گمراہ کن ہے، کہ مرد کی جسمانی کرختگیون کے باوجود اس کے سینہ مین ایک بڑا اور نازک سا دل ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی صحیح نہین کہ عورتین اپنی ظاہری نزاکت، اور پیچیدہ طبیعت کے باوجود وہ اندر سے ایسی سخت ہوتی ہین، جیسے ناخن کا اندرونی حصہ، یا جو آدمی بظاہر بہت سخت گیر معلوم ہوتا ہے، تو یہ ضروری نہین کہ اسکی فطرت بھی ویسی ہی سخت ہو،

یا اگر ایک مرد کی شکل ایک نازک اور معصوم بچے کی جیسی ہو تو یہ ضروری نہین کہ اسکی فطرت بھی ویسی ہی
سادہ اور نرم ہو، عورتون اور مردون کا صحیح اندازہ ان کی ظاہری صورتون سے نہین کیا جا سکتا
جس فضا مین جس کی پرورش ہوتی ہی، اسکی ویسی ہی فطرت آخر وقت تک باقی رہجاتی ہی،

مذکورۂ بالا خیال جو طرفین کے دل مین جاگزین ہے، اسے فوراً نکال دینا چاہئے، کیونکہ
اکی وجہ سے دونون ایک دوسرے کے سامنے اپنے کردار کی غلط تصویر پیش کرتے ہین جس
سے زندگی مین ناہمواری پیدا ہوتی ہے، ڈی۔ ایچ لارنس (D. H. Lawrence)
کا خیال ہے کہ ازدواجی زندگی مین جو جھگڑے پیدا ہوتے ہین، ان کی وجہ یہ ہے کہ عورتین ہمیشہ
مردون پر غالب رہنے کی کوشش کرتی ہین، برٹرینڈ رسل (Bertrand Russel)
نے اپنے مضمون مین ڈی ایچ لارنس کا حوالہ دیتے ہوے لکھا ہے، کہ یہ چیز جھگڑے کی ابتدا ہے،
پھر سوال یہ ہے کہ آخر یہ جھگڑا پیدا ہی کیون ہوا؟ پرانے زمانہ مین عورتین چونکہ مردون سے کمتر
سمجھی جاتی تھین، اس لئے مرد ہمیشہ ان پر وہی نظر رکھتے تھے، جو بڑے اپنے چھوٹون پر رکھتے ہین،
گذشتہ جنگِ عظیم کے زمانہ سے نقطۂ نظر مین تبدیلی شروع ہوگئی ہے، اکثر سننے مین آتا ہے، کہ
انگلستان مین ٹریوے چلانے والی لڑکیون کو وہی مزدوری ملتی ہے، جو مردون کو دیجاتی
ہے، اور وہ مردون ہی کی طرح جانفشانی اور محنت سے کام کرتی ہین، اس سے یہ بات ثابت
ہوجاتی ہے، کہ عورتین نازک نہین ہوتین، موجودہ اطبّا کی بھی یہی رائے ہے، کہ عورتون مین
مردون سے کم قوتِ برداشت نہین ہوتی،

روس کی موجودہ جنگ اس کا ثبوت ہے، کہ عورتین بھی جنگ مین مردون ہی کی طرح
کارآمد ہوسکتی ہین، وہ کارخانون اور میدان جنگ مین مردون ہی کی طرح جوش و خروش سے
کام کر رہی ہین، اس لئے ان کی نزاکت کا مسئلہ خود بخود غلط ہوجاتا ہے، اگر ایک مرد کسی ہتھیار

سے دو دشمنون کو مار سکتا ہے، تو کیا ایک عورت دو کو نہین مار سکتی، ؟ اگر بم گرے تو کیا مرد
عورتون کو ان سے بچا سکتے ہین، ؟ اگر ایسا نہین ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ دنیا کی دوسری عورتون
کو نزاکت اور کمزوری کا پیکر سمجھا جائے، موجودہ جنگ عورتون کی حیثیت کو بالکل بدل دیگی، اور
امید ہے کہ جنگ کے بعد زندگی کا ایک نیا کامیاب اور خوشگوار دور شروع ہوگا، اس مین ان
فریب کاریون کو قطعی دخل نہ ہوگا، عورتین مردون کو نہ بھولا بھالا بچہ سمجھین گی، اور نہ مرد عورتون
کو ایک رازِ پیچیدہ کردار اور عجیب و غریب خصلت کی مخلوق، دونون کی زندگی کا ایک ہی
نصب العین ہے جس کی تکمیل دونون کو ملکر کرنا ہے، باہم ایک دوسرے کو صرف انسان سمجھنا چاہئے
جیہن طرفین کی زندگی ایک دوسرے کیلئے آئینہ ہو،

اگر ہم اس طرح ایک دوسرے کی زندگی کو سمجھنے کی کوشش کرین، تو دونون کی زندگی
بہت خوشگوار ہوگی، اس مین شک نہین کہ ہر شخص کی زندگی مین کوئی نہ کوئی گہرائی اور پیچیدگی ضرور
ایسی ہوتی ہے، جس کا اسکے قریب سے قریب عزیز اور دوست کو بھی علم نہین ہوتا، لیکن یہ ہرگز نہین سمجھنا
چاہئے کہ عورت ایک معمہ ہے جسکو کوئی نہین سمجھ سکتا، اور مرد ایک ایسی کھلی ہوئی کتاب ہے، جسکو
عورتین ایک نظر مین آسانی سے پڑھ سکتی ہین،

ا۔ س

اخبارِ علمیہ

اورینٹل کانفرنس کا گیارہوان اجلاس

کل ہند اورینٹل کانفرنس کا گیارہوان اجلاس گذشتہ دسمبر مین حیدرآباد دکن مین منعقد ہوا تھا، اسکی تفصیل انگریزی سہ ماہی رسالہ اسلامک کلچر (حیدرآباد دکن) بابت ماہ اپریل ۴۱ء مین شائع ہوئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ شعبۂ عربی و فارسی کا اجلاس ڈاکٹر محمد حسین نینار (مدراس یونیورسٹی) کی صدارت مین ہوا، اس مین حسب ذیل مقالات پڑھے گئے: (۱) "فارسی ادب پر ایک مختصر تبصرہ" از جناب جمشید کاؤس جی کتراک صاحب بمبئی (۲) "سہ نثر ظہوری" از پروفیسر ان ڈی، ورما (پونا) مقالہ نگار نے اس مضمون مین یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ عام طور سے جو یہ مشہور ہے، کہ سہ نثر دیباچہ ہے نورس نامہ کا جو ہندی یا دکنی اردو مین لکھا گیا ہے تو یہ خیال صحیح نہین کیونکہ سہ نثر مین بعض اقتباسات ایسے موجود ہین، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ نورس نامہ کی زبان فارسی تھی نہ کہ اردو، نیز نورس نامہ کے مطالعہ سے مطلق یہ نہین معلوم ہوتا کہ سہ نثر اس کا دیباچہ ہے (۳) "بندہ نواز بحیثیت ایک فارسی شاعر" از جناب جی، ڈی رشید صاحب (نظام کالج)، (۴) "سائنس کے فضلا اور عربی زبان کے علما مین اشتراک عمل کی ضرورت" از پروفیسر محمد عبد الرحمن خان، فاضل مقالہ نگار نے اس مضمون مین یہ بتایا ہے، کہ عرب مین بہت سے سائنس کے فضلا پیدا ہوئے، جنکے علمی کارنامے کتابون مین سربمہر ہین، اس لئے اسکی ضرورت ہے، کہ عربی زبان کے علما

اور سائنس کے ماہرین دونون ملکر ان پوشیدہ خزانون کو عام کرکے مسلمانون کے علوم و فنون کو زندہ کرین، اس سلسلہ مین لائق مقالہ نگار نے ہندوستان کے ارباب علم سے عربی زبان کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی اپیل کی ہے،

شعبۂ اسلامی کی صدارت ڈاکٹر عبد الحق (جامعہ عثمانیہ) نے کی، اس شعبہ مین ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنا اہم اور پرمغز مقالہ "اسلامی فقہ پر رومی قانون کا اثر" پڑھا، اس مین ڈاکٹر صاحب موصوف نے بتایا ہے کہ اسلامی فقہ مین رومی قانون کا کوئی اثر نہین پایا جاتا، کیونکہ آنحضرت صلعم کے فقہائے اسلام اور وہ اسلامی ممالک جہان اسلامی فقہ کو فروغ ہوا، رومی قانون سے مطلق آشنا نہ تھے، اور جس زمانہ مین اسلامی فقہ کی تدوین ہوئی، اس وقت تک رومی قانون کی کوئی کتاب عربی مین ترجمہ نہین ہوئی تھی، چنانچہ اسلامی فقہ کے مصطلحات مین کوئی ایسی اصطلاح نہین، جو کہین سے مستعار لیگئی ہو یا معرب کیگئی ہو نیز اسلامی فقہ کی تدوین و ترتیب اور اسلامی عدالتون کی قانونی کارروائیون مین بھی رومی نظام قانون سے کسی قسم کا اشتراک ظاہر نہین ہوتا ہے،

خان بہادر مولوی عطاء الرحمن صاحب نے اپنے مقالہ "اسلامی ثقافت کی روح" مین اسلام کے حسب ذیل تین اصولون کی تشریح کی (۱) انسانی مساوات اور اخوت (۲) رواداری اور آزادی کی روح (۳) فروغ علم، ان تین اصولون کی توضیح کرتے ہوئے یہ بتایا کہ ان ہی اصولون پر تمدن کا انحصار ہے، شیخ عبد الرحمن یمنی نے عربی زبان مین "عربون کی بت پرستی" پر ایک مضمون پڑھا، اس مین مقالہ نگار نے یہ دکھانے کی کوشش کی کہ عہد نبوت سے پہلے عرب بتون کی پوجا ضرور کرتے تھے، لیکن وہ خدا کی وحدانیت کے کبھی منکر نہ تھے، ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب (عثمانیہ یونیورسٹی) نے اردو زبان مین "فلسفۂ بدی کے بعض رموز و نکات" کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نیکی اور بدی دونون کا خالق ہے لیکن ان کا

یہ بھی خیال ہے کہ تخلیق خداوند تعالیٰ کے تجلی کا خارجی مظہر ہے، جس کو جوہر اشیا بھی کہتے ہین، یہ جواہر عالم تخلیق مین آتے ہی صورت اختیار کر لیتے ہین، جس کے بعد ان مین صفاتِ خداوندی باقی نہین رہتی ہین، اور اسی سے بدی پیدا ہوتی ہے، مولانا مناظر احسن گیلانی نے ابن عربی کے نظریۂ "علم" پر اردو مین ایک مضمون پڑھا، جس مین انھون نے یہ بتایا کہ ابن عربی کے نزدیک علم ایک یزدانی نور ہے، جس کا ظہور خاص حالات مین صوفیون کے دلون مین ہوتا ہے، ڈاکٹر محمد عبد المعید خان نے اپنے مقالہ مین کلام پاک کی تفسیر کی ایک قاموس کی تدوین سے متعلق بعض مفید تجویزین پیش کین، ڈاکٹر صاحب موصوف کا مشورہ ہے کہ تیرہ سو برس مین کلام پاک کی آیتون کی جتنی تفسیرین لکھی گئی ہین، ڈکشنری آف بائبل مرتبہ ہیسٹنگ کے اصول پر ان کو ترتیب دیکر ایک جگہ جمع کر دیا جائے، تاکہ مختلف تفسیرون کے معانی و مطالب، مطالعہ کرنے والون کے سامنے آجائین، اس قاموس مین قرآن کی آیتون کی ترتیب و تنظیم حروف تہجی پر راغب اصفہانی کی مفردات القرآن اور علی زادہ کی فتح الرحمن کے اصول پر ہو، اگر یہ کام انجام پا گیا تو بہت ہی اہم اور مفید ہوگا،

کلام پاک کے ترجمے

چین کی قومی اسلامی مجلس مین یہ طے ہوا ہے کہ کلام پاک کا ترجمہ چینی زبان مین کیا جائے، چین مین مسلمانون کی تعداد کئی کرور بتائی جاتی ہے لیکن اب تک چینی زبان مین کلام پاک کا کوئی اچھا ترجمہ نہین تھا، جس کی وجہ سے چین مین اسلام کی اشاعت و ترقی صحیح طور پر نہین ہو رہی تھی، مذکورہ بالا ترجمہ چین کے علما کی ایک جماعت کی نگرانی مین ہوگا،

قرآن مجید کا ترجمہ تیلگو زبان مین بھی ہو رہا ہے، اب سے کچھ سال پہلے ایک غیر مسلم نے کلام پاک کے انگریزی ترجمہ سے تیلگو مین ناقص ترجمہ کیا تھا، لیکن اب اندھرا یونیورسٹی کے ایک مسلمان گریجوایٹ نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہے، اسکی پہلی قسط انجمن تیلگو حیدرآباد کی طرف سے شائع ہوئی ہے، "ص ع"

باب التقریظ والانتقاد

خندان

(یعنی رشید احمد صاحب صدیقی کی کتاب خندان پر ایک تبصرہ)

از

جناب آل احمد صاحب سرور لکچرار اردو، مسلم یونیورسٹی

ایک شاعر کا قول ہے کہ جہان کوئی حسین عورت ہے میری رشتہ دار ازلی ہے، شاعر تو صرف حسن کا قدردان ہے، لیکن حسن اور بدصورتی اخلاق اور بداخلاقی، خلوص اور ریاکاری، بلند و پست سب سے دلچسپی رکھنے والا اور ہر سکوت کو ہنگامہ اور ہر ہنگامہ کو سکوت بنانے والا طنز نگار و مزاح نگار کے سوا کوئی نہین، وہ کبھی زندگی کی کڑوی کسیلی باتون مین شہد کی شیرینی پیدا کرتا ہے، کبھی شیرین اور خوش آیند نغمون مین زہر کی تاثیر بھر دیتا ہے، وہ کتون کے شور مین مشاعرے کے آداب اور ارہر کے کھیت مین ہائڈپارک کے نظارے دیکھتا ہے، روزمرہ واقعات کے جلوۂ بے رنگ مین قوس قزح کی دھاریان پیدا کرنا، اور رنگینیون کے ہجوم مین سادگی کی یاد تازہ رکھنا، طنز و ظرافت کا کمال ہے، شاعری کی طرح یہ بھی پیغمبری کا جز ہے، اور جب سارے پند و نصائح اور اخلاقی درس بیکار ہو جاتے ہین، تو طنز کا ایک ہلکا نشتر اپنا کام کر جاتا ہے،

کچھ عرصہ ہوا اردو کے مشہور مزاح نگار اور طنز نگار رشید احمد صدیقی کی اُن تقریرون کا

ایک مجموعہ خندان کے نام سے شائع ہوا ہے، جو گذشتہ کئی سالون مین ریڈیو پر سنائی گئی تھین، کتاب کے
شروع مین جو مقدمے، دیباچے، پیش لفظ اور تعارف وغیرہ ہوا کرتے ہین، وہ عام طور پر قابلِ اعتنا
نہین ہوتے، کیونکہ ان مین سوائے مصنف کے قصیدے اور قوم کے مرثیے کے اور کچھ نہین ہوتا، لیکن
اس مجموعہ مین ناشر یا پبلشر کی طرف سے جو کچھ لکھا گیا ہے، پڑھنے کے قابل ہے، انھون نے طنز و ظرافت
کی مثال پرانے زمانہ کے جادو یا عملیات سے دی ہے، جن کے بارے مین مشہور ہے کہ اگر ان مین کہین
بھی خامی رہ جائے، تو دشمن کے بجائے خود عامل ان کا شکار ہو جاتا ہے، "اچھی طنز و ظرافت کا
معیارِ کمال یہی ہے، کہ وہ کبھی خالی نہ جائے" اس کے لئے لکھنے والے کو پوری پوری آزادی اور
سننے والے مین کچھ نہ کچھ صلاحیت ہونی چاہئے، اور بعض وقت ریڈیو پر یہ دونون باتین متوازن
نہین ہونے پاتین،

کہا جاتا ہے کہ "رشید صدیقی اپنی ظرافت کے لئے خام مواد شعر و ادب سے لیتے ہین، پطرس زندون
سے اور فرحت اللہ بیگ مُردون سے" یہ خیال بالکل صحیح تو نہین، مگر اس سے ہر ایک کی خصوصیت
کا اندازہ ہو جاتا ہے، رشید صدیقی کبھی اشعار کے برمحل استعمال سے کبھی اُن مین تھوڑا سا تصرف کر کے
اپنا کام نکال لیتے ہین، پطرس روزمرہ کی چیزون سے، بچون کے شور اور بائسکل کی مختلف آوازون
سے لطف پیدا کرتے ہین، فرحت اللہ بیگ کی وہ قلمی تصویرین بہت کامیاب ہین، جن مین انھون نے
بعض اشخاص کی سیرت کو زندہ کر دیا ہے، ان مین سب سے کم لطف شعر و ادب اور اسکی اصطلاحات
مین آتا ہے، کیونکہ سب ان سے واقف نہین ہوتے، اسلئے صدیقی صاحب کا طرز عام فہم نہین سمجھا جاتا،
دوسرے اُن کے یہان مقامی رنگ بہت زیادہ ہے، اور جو لوگ علی گڈھ کی اقامتی زندگی، کچی
بارک اور پکی بارک کی چپقلش، جہل مرکب اور یونین سے واقف نہین، وہ طنز کی واقعیت اور گہرائی
کو پورے طور پر محسوس نہین کر پاتے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے طنز مین یکسانیت نہین، وہ موضوع

سے اکثر دور بھی جا پڑتے ہین، اور ادب، اخلاق، آرٹ اور عورت پر لمبی لمبی بحثین چھیڑ دیتے ہین،
انہین اکثر تشابہ لگتا ہے، وہ واحد متکلم کا صیغہ ضرورت سے زیادہ استعمال کرتے ہین، یہ سب باتین
ان کے یہان پائی جاتی ہین، مگر اس کے باوجود ان کی طنز اتنی گہری اور ان کی ظرافت اتنی منفرد ہے
کہ وہ اردو کے بہترین طنز نگارون اور مزاح نگارون مین شمار کئے جانے کے قابل ہین، ان کی
پہلی کتاب مضامین رشید مین ان کی ظرافت کے بڑے اچھے اچھے نمونے ملتے ہین، مگر یہ ظرافت
سب کے لئے نہین، خندان خاص و عام سب کے لئے ہے، اس کا طرز زیادہ عام فہم، اس کے موضوع زیادہ
ہمہ جہت اور ہمہ گیر، اس کے کردار زیادہ معروف اور اس کے مضامین زیادہ جامع اور مختصر ہین،
اس مین چالیس کے قریب مضامین ہین، جو خاص خاص عنوانون کے تحت مین رکھے گئے ہین، ادھر
ادھر کی دنیا مین ریڈیو سننے والے، ہوٹل مین ریڈیو، سفر، دعوت، شراب کی ممانعت، امتحانات،
باغ، قابلِ ذکر ہین، چند معروف و غیر معروف ہستیون مین سے استادِ خندان، شیخ پیرو، ایڈیٹر،
مقرر، لیڈر، بابو، بیرا، بجرو، ملاح بڑے دلچسپ ہین، مصنف یہان سب سے زیادہ کامیاب ہوا ہے،
ہستی اور نیستی کے مسئلہ پر بھی ہیملٹ کی طرح غور کیا گیا ہے، چنانچہ اس ذیل مین شاعر ہونا کیا معنی
رکھتا ہے، اور ایم-ایل-اے، ہونے کے کیا معنی ہین، خصوصیت رکھتے ہین، چند خاکے کانفرنسون،
عدالتون، کونسلون اور دوکانون کے بھی ہین، اور آخر مین اردو شاعری مین عاشق، معشوق، رقیب،
ناصح، اور دربان کے "تیغ آہنگ" پر بھی طنز ملتی ہے،

اکبر کے بعد اردو مین طنزیاتی روح سب سے زیادہ رشید صدیقی کے یہان ہے، ان کی سوجھ
بوجھ بہت اچھی ہے، اور ان کا تخیل موجد ہے، وہ معمولی باتون مین مضحک پہلو بہت جلد دیکھ
لیتے ہین، وہ قول محال (Paradox) کے ماہر ہین، اور الفاظ کے الٹ پھیر سے خوب
کام لیتے ہین، ان مین بیک وقت سویفٹ کی تیزی، برنارڈ شا کی بت شکنی، چسٹرٹن کی طباعی

تینون کے نمونے ملتے ہین، انھون نے سجاد انصاری کے اسلوب فکر اور اسلوب بیان دونون سے فائدہ اٹھایا ہے، وہ اپنے مضامین مین اکثر قصے بیان کرتے ہین، قصے نئے نہین ہوتے، مگر ان کا انداز بیان قصون کو دلچسپ بنا دیتا ہے، وہ بہت سے کردار تراشتے ہین، جذبات کی خوب خوب مصوری کرتے ہین، وہ جزئیات مین بہت زیادہ نہین جاتے، چند گہرے اور شوخ چھینٹون سے اپنی تصویرین بناتے ہین، اور ان تصویرون کو اس طرح سجاتے ہین، کہ منہ سے بول اٹھتی ہین، واقعات مین تسلسل اور غیر متعلق چیزون مین ربط پیدا کر لیتے ہین، ان کی تشبیہات نادر اور پُر زور ہوتی ہین، وہ باوجود شہری ہونے کے گاؤن والون کی معاشرت ان کے ماحول، ان کے مزاج کی بہت سچی تصویرین پیش کرتے ہیں، انھین گاؤن کی چیزون سے صرف ہمدردی ہی نہین محبت معلوم ہوتی ہے، ان کی نثر پختہ اور روان ہے، اس مین کہین کہین عظمت و جلال کی جھلک آجاتی ہے،

انھین اشخاص کی ذاتی کمزوریون سے اتنی دلچسپی نہین، جتنی قومی اور اجتماعی خامیون سے، وہ صرف ہنسوڑ نہیں، بلکہ ہنسی ہنسی مین ایسی باتین کہہ جاتے ہین، جنکی خلش عمر بھر نہ جاے، کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس ظاہری شگفتگی، اور زندہ دلی کی تہ مین ایک ذہنی کرب، ایک دلی اذیت چھپی ہوئی ہے، اڈیٹر مین آج کل کے اخبارون اور ان کے جاہل اڈیٹرون پر طنز ایسی گہری اور تیز ہے، کہ اس مین ایک المیہ رنگ پیدا ہو گیا ہے،

اکبر کے متعلق کسی نقاد کی راے یہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے بہترین تمدنی نقاد ہین، آجکل کے مزاح نگارون مین سب سے زیادہ یہ چیز انکے شاگرد رشید مین ملتی ہے، پطرس کو تمدنی مسائل سے زیادہ دلچسپی نہین، وہ اشخاص کے نشیب و فراز کو دیکھتے ہین، ان کا صرف ایک مضمون لاہور کا جغرافیہ ایسا ہے جس مین وہان کے محکمہ حفظانِ صحت اور شہریت کے عجیب و غریب نظریون کی پردہ دری کی گئی ہے، فرحت اللہ بیگ کسی فقرے یا برجستہ محاورے سے کام لیتے ہین، ان کی زبان

کوثر و تسنیم مین دھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے، دونون کی ظرافت اعلیٰ قسم کی ہے، شوکت تھانوی کے یہان معاشرت پر تنقیدین بہت ہین، مگر ان مین صحافتی رنگ زیادہ ہے، ادب العالیہ کی شان کم، مگر ان کی طباعی مین شک نہین، رشید احمد صدیقی، مزاح نگار سے زیادہ طنز نگار ہین، انھون نے اس دور کی ہر خصوصیت پر راے زنی کی ہے، اور جہان انھین اونچ نیچ، یا افراط و تفریط نظر آئی، اسے ہموار کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً اخبار ہی کو لے لیجئے، صدیقی صاحب کے الفاظ مین "آج کل اخبار نویس کو اس اصول پر چلنا چاہئے کہ اخبار سے کسی کو فائدہ پہونچے یا نہ پہونچے، اخبار کو برابر فائدہ پہنچتا رہے، اخبار نویسی شروع اس طرح کرنی چاہئے، جیسے دین خطرے مین ہے، قوم فنا ہو رہی ہے، حکومت ناشدنی اور گردن زدنی ہے، لیکن ختم یون کرو گویا تم نے دین کی خاطر یا قوم کی حمایت مین یا حکومت کی مخالفت مین اخبار بند کر دیا، اور بنک مین حساب کھول دیا"۔

ہماری زندگی کا ایک دوسرا جز جلسے ہین، جلسے کر کے ہم اس قدر خوش ہوتے ہین، گویا دنیا کا بہت بڑا مرحلہ طے ہو گیا، تقریرین کرنا اور تقریرین سننا ہماری فطرت مین داخل ہے، دوسرے کام کرتے ہین، ہم باتین کرتے ہین، اگر محض لطفِ سخن سے دنیا مین کچھ ہو سکتا، تو ہم سب کچھ کر لیتے ایک جلسے کا سین دیکھئے، "نظمین پڑھی جانے لگین، تالیان بجنے لگین، ہار پھول پہنائے جانے لگے، ایک قفلی والے نے آواز لگائی، ایک صاحب کا بچہ مچل گیا، انھون نے مجمع کے اندر ہی سے قفلی والے کو آواز دی، صدر نے قفلی والے کو ڈانٹا، بچہ کے والد نے سمجھا کہ یہ ان کی قفلی حاصل کرنے کی آزادی مین خلل اندازی تھی، للکار کر بولے، یہ جلسہ آزادون کا ہے، آزادی پر جان دینے والون کا ہے، مجمع نے نعرہ لگایا بے شک، بے شک، آزادی خطرہ مین ہے، قفلی ضرور کھائی جائے گی، دغابازون کا ستیاناس ہو، وغیرہ وغیرہ،

آج کل لیڈری کے جو خواہان نظر آتے ہین، اُن پر تبصرہ دیکھئے، "دلمین خوب سمجھتے ہین کہ

عقل نہین ہے، قابلیت نہین ہے، روپیے نہین، فرصت نہین، ہمت نہین، صورت دیکھکر عورتین ہنستی ہین، بچے تالیان بجاتے ہین، بوڑھے گردن جھکا لیتے ہین، بھلے مانس دل بہلاتے ہین، ایماندار کتراتے ہین، فقیر ڈراتے ہین، مرغیان کٹ کٹ کرتی ہین، لیکن کیا کیجئے، جاہ کی ہوس، نصیبے کے بچھن، فلان شخص بڑا کہلاتا ہے، ہم کیون نہ بڑے کہلائین"۔

مقررون کی واہ واہی ہوتی ہے، اور ان کی خبر بھی لیجاتی ہے، کوئی مشہور واعظ یا خطیب بڑے ارمانون سے بلایا جاتا ہے، اس کا استقبال اس طرح ہوتا ہے، اسٹیشن پر گنوارون کا ہجوم، نعرون کی صدا، پٹاخون کا چھوٹنا، گیندے کے پھولون کے ہار پہنائے اور پھول برسائے جاتے ہین، کسی نے ہاتھ چومنا شروع کیا، کسی نے سجدہ کر لیا، کوئی رونے لگا، کوئی شعر پڑھنے لگا، کسی نے زور سے نعرہ لگایا، کسی نے اسٹیشن ماسٹر پر دھول جما دی، اور قلی کی پگڑی چھین لی، ایک نے چپکے سے مہمان کی جیب کتر لی۔ تقریر ختم کرنے کے بعد مقرر کو دست بوسی اور سلامت روی کے سلسلہ مین باہر نکلنے میں دیر ہوتی ہے۔ "اب جو دیکھتے ہین، تو نہ کوئی آگے ہے نہ پیچھے، ہر طرف اندھیرا ہے اور یہ ہنس بیچارہ"۔

اس زمانہ کا سب سے اہم کارنامہ لیڈری ہے، لیڈری کا بھی فن بن گیا ہے، صدیقی صاحب کا خیال یہ ہے کہ جس طرح ہندوستان کے امراض کا کوئی احاطہ نہین کر سکتا، اسی طرح لیڈرون کے اقسام بھی معلوم کرنے مشکل ہین، تاہم انھون نے فصلی، ذیلی، گشتی، مادرزاد، اللہ واسطے، ہوائی، شکمی، اشتہاری، خاموش بہت سی قسمین گنائی ہین، جس طرح برسات مین کیڑے، لگڑ بگھے، بھوٹ اور بچھے پیدا ہوتے ہین، اسی طرح خاص خاص فصلون مین فصلی لیڈر پیدا ہوتے ہین، مثلاً بقر عید، محرم، دسہرے دیوالی کے زمانہ مین ہر جگہ مارنے مرنے کے لئے لیڈر رونما ہو جاتے ہین، ذیلی لیڈر بار پہننے مین لیڈر کے ساتھ اور نعرہ لگانے مین مجمع کے ساتھ ہوتے ہین، اور جب لیڈر جیل خانہ جاتا ہے، تو یہ اپنے گھر آجاتے ہین، مادرزاد لیڈر اندھے کے مانند ہوتا ہے، اُسے کچھ نہین

معلوم، صورت حال کیا ہے، وہ صرف "ہونا چاہئے کے درپے ہوتا ہے، خاموش لیڈر گفتگو نہین کرتے، صرف انٹرویو دیتے ہین"۔

لیڈر کو پبلک کے مفاد کا ہر وقت خیال رہتا ہے، ایک پبلک کا نقشہ تو آپ دیکھ چکے جسے اپنے حقوق کے تحفظ کا اس قدر خیال ہے، دوسری پبلک تھرڈ کلاس کے ٹکٹ گھر کے سامنے نظر آتی ہے، "ہر شخص اس کے درپے ہے، کہ اُسے سب سے پہلے ٹکٹ مل جائے، سر پر گٹھری اور بغل مین بستر ہے، کاندھا الگنی کا کام دے رہا ہے، انگلی بچے کے ہاتھ مین ہے، شلوکے کے بند سے بیوی بندھی ہوئی ہے، کوئی ہانپ رہا ہے، کوئی کانپ رہا ہے، عورتین کوس رہی ہین، مرد ہاتھا پائی کر رہے ہین، بچے بلبلا رہے ہین"۔

عورتین کوس رہی ہین، مرد ہاتھا پائی کر رہے ہین، بچے بلبلا رہے ہین، یہ ہندوستان کی سماجی زندگی کی سچی تصویر ہے یا نہین، اسی کے دوسرے رُخ کو بجرو دادا کی زبانی سنئے، جو جوانی مین ڈاکا مارتے تھے، اور بڑھاپے مین ایک گاؤن کے سردار بن گئے تھے، گاؤن کے بے فکرون نے اُن سے شہری زندگی اور اس کی برکتون کی تفصیل معلوم کرنی چاہی، بجرو دادا پہلے تو چپ رہے، پھر تمباکو کا ایک نہایت آبدوز قسم کا کش لیکر چلم کو دوسرے کے حوالہ کیا اور کہنے لگے کہ شہرون کا عجیب حال ہے، ان کے مکانات بڑے مضبوط، بڑے خوبصورت اور بڑی ہی تکلیف دہ ہوتے ہین، ان کو کھلی ہوا اور روشنی میسر نہین آتی، بڑے بڑے چوڑے راستے ہین لیکن ہر روز ان مین کوئی نہ کوئی کچل کچلا کر مر جاتا ہے، جتنا کام نہین کرتے، ان سے زیادہ دل بہلانے کی کوشش کرتے ہین"۔

بجرو نے عورتون کی تین قسمین بتائی ہین، بعض تو ایسی ہین جنھون نے سورج اور آسمان بھی نہین دیکھے ہین، گھرون مین بیٹھی رہتی ہین، فاقہ کرتی ہین، بچے پالتی ہین، اور چکی پیستی ہین، یہانتک کہ ایک دن در و دیوار کی چکی خود انھین پیس ڈالتی ہے، بعض ایسی ہین جو صرف پان کھاتی ہین، چھالیا

کرتی ہین، شوہر کو گالی دیتی ہین، اور اپنے میکے والون کی پرورش کرتی ہین، لیکن اب ایک قسم اور بھی پیدا ہوگئی ہے، یہ انگریزی بولتی ہین، ساڑی پہنتی ہین، اور سینما دیکھتی ہین، شوہران کی خدمت کرتے ہین، اور یہ قوم کی خدمت کرتی ہین، اکبر اس خطرے سے پہلے ہی آگاہ تھے، ایک جگہ لکھتے ہین:-

تعلیم کی خرابی سے ہوگئی بالآخر — شوہر پرست بیوی، پبلک پسند لیڈی

موجودہ تعلیم کی خرابیون پر اکبر کی نظر بھی تھی، وہ اسے محض بازاری اور سرکاری سمجھتے تھے، لیکن اسکی جس خرابی پر رشید صدیقی کی نظر گئی ہے وہ بنیادی ہے، وہ نظام تعلیم جو افراد کی صلاحیتون کو نہین دیکھتا، بلکہ سب کو ایک ہی قسم کی تعلیم دیتا ہے اور جس کا مقصد کسی خاص منزل کی طرف طالب علمون کی ایک بھیڑ کو ڈھکیل دینا ہے، ناقص اور ادھورا ہے، ہر فرد کی صلاحیت کو علحدہ علحدہ پرکھنا اور اسے زیادہ سے زیادہ ترقی دینا، تاکہ وہ ایک اجتماعی کوشش سے ہم آہنگ ہوسکے، ضروری ہے، بجر و داد اس عجائب خانہ کا ذکر کرتے ہین، جس کو شہریون نے اسکول، کالج، یونیورسٹی، اور بورڈنگ ہاؤس کا نام دے رکھا ہے، یہان یہ ہر ایک کو ایک قسم کا منتر پڑھاتے ہین، اور ایک ہی قسم کے سانپ سے کھیلنا سکھاتے ہین، ایک ہی قسم کا راتب دیتے ہین ایک ہی قسم کے کام لیتے ہین، شکار پر گزران کرنے والے کو مردار کھلاتے ہین، کھیت جوتنے والے کو گورکنی سے واقف کراتے ہین، ہرن پر گھاس لادتے ہین نقش نگینے کا کام کرنے والے سے مگدر ہلواتے ہین، ہندوستان مین پیدا ہونے والے کو یورپ کا خواب دکھاتے ہین، سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتے ہین، اور ایک راستہ پر چلاتے ہین، مخصوص صلاحیتون کا اس طرح جو خون ہوتا ہے، اس پر اقبال کی طنز بھی اتنی گہری نہین، اگرچہ یہ بھی وہین کا فیضان ہے،

دوسرے الفاظ مین رشید صدیقی کی ظرافت محض زندہ دلی ہی نہین، ایک سنجیدہ مقصد بھی رکھتی ہے، یہ مقصد ان کے یہان سب سے زیادہ اہم ہے، اس کے بعد اُن کے آرٹ کا نمبر ہے،

یہ آرٹ عجیب وغریب چیزون کو باہم مربوط یا ہم رشتہ کردینے کا آرٹ ہے، ندی اور عورت دونون کا ایک ہی بیوہار ہے، دونون طاقت اور رفاقت پسند کرتی ہین، یہی ندی جب طغیانی پر آجائے تو آج کل کے نوجوانون کی مانند ہوجاتی ہے یعنی ہر قید و بند سے آزاد، پولیس اور یونیورسٹی، دونون تحقیقات پر ایمان رکھتے ہین، یہ اور بات ہے، کہ ایک سزا دلواتی ہے، دوسری سند دیتی ہے، اکبر نے شیخ جی کے دونون بیٹون کے باہنر ہونے کی داد شاید یہی سوچکر دی تھی، رشید صدیقی کی تشبیہات بھی نہایت چست اور جاندار ہین، شیخ پیرو کا قد ایک مضبوط نیم سوختہ ببول کے تنے کی مانند ہے، صدر کرسی صدارت پر اس طرح رونق افروز ہین، جیسے ڈیوٹ پر بھالو، شراب کی بوتل جیب سے اس طرح برآمد ہوتی ہے، جیسے دلہن حجلۂ عروسی سے نکلے، یا بہادر کی تلوار نیام سے باہر آئے، یا شباب کا خواب مجسم ہوجائے، سرشار کی طرح یہ بھی کردارون کا ایک نگارخانہ پیش کرتے ہین مختلف قسم کے لوگون کی وہ بھیڑ ہے، کہ تصویر گڈمڈ ہوجاتی ہے، اس تصویر مین کچھ لوگ ایسے بھی ہین جو ذہن مین محفوظ ہوجاتے ہین، شاعر جو اس طرح شعر پڑھتے ہین، گویا غزل کے معنی عورتون سے باتین کرنے کے نہین بلکہ انجنون پر دانت پیسنے کے ہین، مہمان جن کی داڑھی چاولون کی مالا ہے، اور شوربا گنگا جمنی خضاب کی بہار دکھا رہا ہے، گویئے جن کا گانا ہسٹریا معلوم ہوتا ہے، خندان جو ہمیشہ اظہار تخلص کرتے رہتے ہین، بہرے جو معلوم ہوتا ہے مرچین کھائے ہوئے ہین اور بیوی کے قتل کے منصوبے کر رہے ہین، روشن خیال اور مہذب انسان جو اپنی نیک بخت کو حالی کی مسدس اور دوسرون کی جوان بخت کو حافظ کی غزل قرار دیتے ہین، ہوٹل مین ریڈیو سننے والے، جو ہر وقت یہ سوچتے رہتے ہین، کہ گھر والی دانت پیس رہی ہوگی، اور ہمسائی گرم مسالہ مانگنے اور چغلی کھانے آئی ہوگی، بابو جن سے جنگ کرنے مین کوئی خطرہ نہین لیکن جن سے صلح موت کا پیغام ہے، ملاح جو رات کو ڈاکا ڈالتے ہین، اور دن کو چپو چلاتے ہین، بزرگ قوم جو جھوٹ بولتے ہین، اور بیٹنگ

کرتے ہین، ہینٹنگ کرتے ہین اور جھوٹ بولتے ہین، غرض یہ اور ایسے ہی بہت سے کردار ہین جو ذرا دیر
کے لئے ہمارے سامنے آتے ہین، مگر جب آجاتے ہین، تو سورج چمکتا رہتا ہی، اور غم پاس نہین پھٹکتا،
الڈس ہکسلے (ALDOUS HUXLEY) نے ایک جگہ لکھا ہی کہ اس دور مین ذہن تیز اور
قوائے جسمانی مضمحل ہوگئے ہین، جتنے پچھلے بت تھے، ہم نے توڑ ڈالے لیکن چونکہ نئے بت نہ
بنا سکے، اسلئے زندگی مین ایک خلا سی محسوس کرتے ہین، بت شکنی اس دور کی خصوصیت ضرور ہے مگر
ساتھ ساتھ بت گری بھی برابر جاری ہے، پہلے مابعد الطبیعات تصوف، اخلاقیات وغیرہ کے
بُت بنے ہوے تھے، اب ارتقا، مادیت، اضافیت کے بُت ہین، شاعر، فلسفی، سائنس دان سب
نئے نئے بت بنانے مین مصروف ہین، طنز نگار ان کو توڑنے مین اس مین کوئی شک نہین، کہ اس
دور کی روح زیادہ تر طنزیاتی ہے، ہمارے ادب مین اس کا عکس سب سے زیادہ رشید صدیقی
کے یہان ملتا ہی،

اس مجموعہ کی سب تقریرین ایک سی نہین ہین، یہ ہو بھی نہین سکتا تھا، انشا کے لطیفون
کی مثال پیش نظر رکھیے، تو معلوم ہوگا، کہ یہ کام کس قدر مشکل ہے، کہین کہین تمہید اتنی لمبی ہوگئی
ہی کہ اصل عنوان کے لئے گنجایش ہی نہین رہی، امتحانات اسکی نمایان مثال ہیں، ریڈیو والون
پر جو توجہ صرف کی گئی ہے، اس کے وہ ہرگز مستحق نہین ہین، بعض مضامین مثلاً ریڈیو کا مستقبل یا
اگر مین فاؤنٹین پن ہوتا، یا اگر مین چور ہوتا، دلچسپ نہین ہوسکے، کبھی کبھی شعر اچھا نہ ہونے
کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ مصرعہ طرح مہمل ہوتا ہے،

اپنے ایک مضمون مین انھون نے ساری دنیا جہان کے کوڑ دکھاے تھے، انکے بھی کوڑ
ہین، عورت اور باغ سے انھین بڑی دلچسپی ہے، چاہے باغ کی وجہ سے عورت سے یا عورت کی
وجہ سے باغ سے، الفاظ سے یہ بھی کھیلتے ہین، اس سے وہ اچھا کام بھی لیتے ہین، مثلاً جاپان کی ہر چیز

سستی ہی، سوائے اسکی دشمنی کے مگر بعض وقت یہ رعایت لفظی "گھا گھیت" ہو کر رہ جاتی ہی، اردو کے
ایک مشہور نقاد نے ان کے متعلق لکھا تھا، کہ "یہ زندون سے ڈرتے ہین، اور مردون مین شیر ہین، مگر
یہ بات تو حالی کی تنقیدون مین بھی ہے، جہان معاصرین کی تعریف مین بے حد غلو کیا گیا ہے، مقامی
رنگ کی کثرت ضرور ان کے حلقہ کو محدود کرتی ہی، مگر اس سے ان کی تصویرون مین زندگی زیادہ
آجاتی ہے، پطرس کی ظرافت ان کے مقابلے مین بڑی زود ہضم اور ہلکی پھلکی ہی، اس کی مثال نوکماتت
کی سی ہے، جس سے خون بڑھتا ہے، اور چہرہ روشن ہوجاتا ہے، رشید صدیقی کی ظرافت مین زیادہ
وزن ہے، اور اسی وجہ سے کہین کہین ثقالت بھی، پطرس دوسرون پر ہنسکر اپنے لطف زندگی
مین اضافہ کرنا چاہتے ہین، رشید صدیقی اس لئے ہنستے ہین کہ اس طرح دوسرون کا کام چلتا رہے،
خود ایک جگہ کہتے ہین، کہ "میرا مقصد آپ کی معلومات مین اضافہ نہین تاثرات مین تنوع پیدا کرنا
ہے،" دلچسپ فقرون، دلکش کردارون، گہری طنز اور وسیع ظرافت کے علاوہ ان کے یہان
نثر کا ایک منفرد اسلوب بھی ملتا ہے، جس مین اقبال کے اشعار اور ابوالکلام کی عظمت جھلکتی ہے،
عظمت ظرافت کی وجہ سے عام طور پر دب گئی ہے، مگر بعض جگہون پر نمایان ہو ہی جاتی ہے،

نقوش سلیمانی

یہ مولانا سید سلیمان ندوی کی ہندوستانی اور اردو زبان و ادب سے متعلق تقریرون
تحریرون، اور مقدمون کا مجموعہ ہی جو انھون نے بعض ادبی کتابون پر لکھے،

ضخامت ...۵ صفحے، قیمت:-

"مینیجر"

مطبوعات جدیدہ

غلامانِ اسلام حصہ دوم، از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۵۳۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت :- مجلد صہ بے جلد للعہ، پتہ :- ندوۃ المصنفین، قرولباغ، نئی دہلی،

یورپ نے اسلام کی جائز کردہ غلامی کے خلاف جو پروپگنڈا کیا ہے، اس کے جواب مین مولنا سعید احمد صاحب نے یہ کتاب لکھی ہے، اسکا پہلا حصہ "اسلام مین غلامی کی حقیقت" کے نام سے عرصہ ہوا شائع ہوچکا ہے، اس پر معارف مین ریویو بھی ہوچکا ہے، اس مین دوسرے مذاہب اور اقوام مین غلامی کی تاریخ، اوسکی حیثیت اور اسکی بدترین شکلون کو دکھا کر اس کے مقابلہ مین غلامی مین اسلام کی اصلاح اور غلامون کو اس کے عطا کردہ حقوق کی تفصیل پیش کیگئی تھی، جسکے بعد غلامی محض نام کی غلامی رہجاتی ہے، درحقیقت اسلام نے غلامون کو جو مساویانہ حقوق اور جس طرح انھین ہر طرح کی ترقی کے مواقع عطا کئے، اس کا یہ مین ثبوت ہے، کہ فقر و درویشی کے بوریہ سے لیکر علم و فن کی مسند اور تخت و تاجِ فرمانروائی تک دینی اور دنیوی ترقی کا کوئی ایسا شعبہ نہین ہے، جس مین انھون نے کمال نہ حاصل کیا ہو، ان مین بڑے بڑے اہل اللہ اور عارفِ حق بھی ہوئے، علما، اور ائمہ بھی، فاتح اور کشور کشا بھی، اور صاحبِ تاج و نگین بھی، مسلمانون کی تاریخ غلامون کے کمالات اور ان کی عظمت سے بھری ہوئی ہے، اس حصہ مین انہی باعظمت غلامون مین سے پچھتر غلام صحابہ، تابعین تبع تابعین صوفیا، اور علمائے شعر و ادب کے حالات لکھے گئے ہین، یہ تعداد نمونہ از خروارے

بھی کم ہے، اس مین صرف چند شعبون کے صاحب کمال غلامون کا ذکر ہے، ورنہ ان کی فہرست اتنی طویل ہے، کہ اگر صرف ان کے نام گنا دیے جائین، تو بھی ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے، تاہم اس کتاب مین جسقدر حالات ہین، وہ اسلام کے غلامون کی عظمت کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہین، اس کتاب مین جن بزرگون کے حالات لکھے گئے ہین، ان مین سے ۴۲ یعنی نصف سے زیادہ کے حالات دار المصنفین کی سیر الصحابہ اور تابعین مین مفصل نکل چکے ہین،

ایک معلم کی زندگی حصہ اول و دوم، مرتبہ جناب عبد الغفار صاحب مدہولی استاذ جامعہ ضخامت ہر دو جلد تقریبًا ایکہزار صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ہہ، پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ قرولباغ نئی دہلی،

مؤلف کتاب جامعہ کے ان اساتذہ مین ہین، جنھون نے بچون کی تعلیم و تربیت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے، ارباب جامعہ کو عمومًا، اور مدہولی صاحب کو خصوصًا ایسے نئی نئی تعلیمی تجربون کی دھن ہے، جو تعلیم و تربیت کے ساتھ طلبہ کے سارے نظام اوقات اور مشاغل زندگی پر حاوی ہون، اور جس مین ان کی سیر و تفریح اور کھیل کود کا نظام بھی ایسا رکھا جائے، اور ان کے لئے ایسے مشاغل پیدا کئے جائین، جو تفریح اور دلچسپی کے ساتھ تعلیمی فوائد سے بھی خالی نہ ہون اور ان کی آیندہ عملی زندگی مین مفید اور کارآمد بن سکین، ایک معلم کی زندگی اسی قسم کے بیس سالہ تعلیمی تجربون کی روداد ہے، اس مین جستہ جستہ جامعہ ملیہ کے اہم حالات بھی آگئے ہین، یہ کتاب عام لوگون کے لئے دلچسپ اور طلبہ و معلمین کے لئے مفید ہے،

فنِ شاعری مترجمہ جناب عزیز احمد صاحب بی اے آنرز لندن، استاذ انگریزی جامعہ عثمانیہ، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۱۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہر، پتہ :- انجمن ترقی اردو ہند دہلی،

بوطیقا (Poetics) فن شاعری اور ڈراما پر ارسطو کی بڑی مشہور اور معرکۃ الآراء تصنیف اور ادبی تنقید کی قدیم ترین کتابون مین ہے، اس مین شاعری اور ڈراما کے اقسام اور اجزاء پر فنی حیثیت سے بحث کی گئی ہے، کتاب پانچ حصون مین تقسیم ہے، شاعری پر ایک عام اور بالموازنہ نظر، ٹریجڈی، رزمیہ شاعری، نقادون کے اعتراض اور ان کے جواب دینے کے اصول، ٹریجڈی رزمیہ شاعری سے افضل ہے، ان مین سے ہر ایک پر بڑی اور جامعیت اور خوبی کیساتھ تنقیدی نگاہ ڈالی گئی ہے، ارسطو کی دوسری تصانیف کی طرح یہ کتاب بھی اسکی ابداع اور نکتہ سنجی کا نمونہ ہے، اگرچہ اس کا مذاق مغربی ہے، لیکن عام شاعری اور ڈراما کے متعلق بھی اس مین مفید معلومات اور فنی نکتے موجود ہین، دنیا کی مختلف زبانون مین اس کا ترجمہ ہو چکا ہے، اور اسکی شرحین لکھی جا چکی ہین، جناب عزیز احمد صاحب نے اردو مین منتقل کیا ہے، ترجمہ بہت سلیس ہے، کتاب کے شروع مین فاضل مترجم کے قلم سے ایک مقدمہ ہے، جو بجائے خود کتاب کے مباحث پر مفصل تبصرہ ہے،

آج کا مصر از جناب محمد حسن الاعظمی و خورشید عبد السلام صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہین، پتہ اردو اکیڈمی لاہور،

ہندوستان اور مصر کے گوناگون تعلقات کے باوجود، عموماً ہندوستانیون کو وہان کے سیاسی حالات کے علاوہ اور دوسرے حالات سے کم واقفیت ہے، جناب محمد حسین صاحب اعظمی جنھون نے کچھ دنون مصر مین تعلیم حاصل کی ہے، جناب خورشید عبد السلام صاحب کو وہان کے مختلف حالات قلمبند کرائے تھے، انھون نے اسکو مرتب کرکے ایک مفید کتاب بنا دی، اس مین مصر کی مختصر قدیم تاریخ، وہان کے سیاسی تعلیمی اور معاشرتی حالات مختلف سیاسی سرکاری اور غیر سرکاری پارٹیون ازہر جدید، جامعہ مصریہ، اور دوسرے تعلیمی ادارون اور مصر کی ممتاز شخصیتون کا مختصر حال ہے،

دینِ اسلام (حصہ اول) مولفہ مولنٰنا لطف الرحمٰن صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت معلوم نہین، پتہ:- مکتبہ ترجمان القرآن شہر مالدہ، صوبہ بنگال،

مصنف نے اس کتاب مین اسلام کے بنیادی عقاید، توحید، رسالت، ایمان، آخرت جزا و سزا عبادات اور ارکانِ اسلام کو دلنشین انداز مین بیان کیا ہے، اور اس کے مقابلہ مین کفر و شرک اور مشرکانہ اعمال و اقوال بتائے ہین، آخر مین انسانی زندگی کی دوسری ضروریات مثلاً کھانے پینے، لباس، نکاح و طلاق، شادی و غمی، اور میراث اور عام اخلاق کے متعلق اسلامی تعلیمات کو پیش کیا ہے، کہین کہین ان کی حکمتین اور مصلحتین بھی بیان کردی ہین،

انشائے داغ مرتبہ جناب سید علی حسن صاحب مرحوم مارہروی تقطیع بڑی، ضخامت ۱۶۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ پتہ:- انجمن ترقی اردو ہند دہلی،

جناب احسن مارہروی مرحوم نے اپنے استاد داغ دہلوی کے خطوط بڑی تلاش و جستجو سے جمع کرکے مرتب کئے تھے، جسے ان کی وفات کے بعد انجمن ترقی اردو نے شائع کیا ہے اس مین والیانِ ریاست، حکام، امراء اور داغ کے احباب و تلامذہ کے نام ان کے ۱۲۹ خطوط ہین، ان مین ادبی حیثیت سے کوئی خصوصیت نہین ہے، لیکن اس حیثیت سے مفید ہین، کہ ان سے داغ کے حالات اور اس زمانہ کے بعض واقعات پر روشنی پڑتی ہے، اس کی اشاعت سے ایک باکمال استاد کی نثر کا نمونہ بھی نگاہون کے سامنے آگیا،

"م"

The Indian Constitutional Tangle

(ہندوستان کی آئینی پیچیدگی) مؤلفہ جمیل الدین احمد صاحب لکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڈھ،

ضخامت ۰ و صفحے، کاغذ و طباعت بہتر، قیمت عہ پتہ :- شیخ محمد اشرف کشمیری

بازار، لاہور،

اس مختصر رسالہ مین موجودہ جنگ کے آغاز سے اپریل ۱۹۴۱ء تک ہندوستان کے آئینی الجھاؤ کے مختلف پہلوؤن پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس سلسلہ مین کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاسی جدوجہد دونون جماعتون کی جنگ اور ان کے طرز عمل سے برطانوی حکومت کی پالیسی مین وقتاً فوقتاً جو تبدیلیان ہوتی گئی ہین، ان پر بھی بحث کی گئی ہے، اسی کے ساتھ کانگرس کے سوراج کے تخیل مجلس دستور ساز کے مطالبہ مسئلہ اقلیت عارضی قومی حکومت، وائسرائے کا اعلان اگست ۱۹۴۰ء، وزیر ہند کے مختلف بیانات، مسلم لیگ کے مطالبات، خصوصاً پاکستان کی اسکیم پر خوش اسلوبی سے تبصرہ کیا گیا ہے، مولف مسلم لیگی ہین، اسلئے لیگ کے طرز عمل اور مطالبات کو واقعات اور حقائق کی روشنی مین سراہنے کی کوشش کی ہے، اور پاکستان کو ہندوستان کے آئینی اور فرقہ وارانہ اختلافات کا واحد حل قرار دیا ہے، ممکن ہے کسی کو مؤلف کی رائے سے اختلاف ہو لیکن تحریر کی متانت و سنجیدگی کے اعتبار سے یہ رسالہ ہندوستان کی سیاست سے دلچسپی رکھنے والون کے غور و مطالعہ کے لائق ہے،

نغمۂ توحید، از جناب سعید تقطیع اوسط، ضخامت ۵۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، پتہ :- شرف الدین الکتبی واولادہ ۲۹، محمد علی روڈ بمبئی، نمبر۳،

نغمۂ توحید ساز سعید کا اسم بامسمی نغمہ یعنی توحید، اصلاح عقائد، صحیح دینی تعلیمات اور دوسرے مفید مذہبی موضوعون پر نظمون کا مجموعہ ہے، یہ نظمین شاعری کی زبان مین وعظ و درس کی حیثیت رکھتی ہین، البتہ کہین کہین شاعری کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے، جس سے اس قسم کی شاعری مین بچنا بہت دشوار ہے،

"ص ع"

جلد ۴۹ ماہ جمادی الاوّل ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۲ء عدد ۶

مضامین